جلد 7 شمارہ 2 اپریل 2005ء صفر 1426ھ

اَفلحَ مَن تزکّٰی ○ وَذکرَ اسمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ○ (الاعلیٰ 14-15)

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

وَاذکُرِ اسمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّل اِلَیہِ تَبتِیلًا

اللّٰہ

صداقت

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاح آدمیت

گوجرانوالہ

Registerd

CPL No. 49

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

آدمیت

فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 7 شمارہ 2 اپریل 2005ء صفر 1426ھ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ــــــــــ -/20 روپے   سالانہ فنڈ ــــــــــ -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

محمد صدیق ڈار توحیدی

مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:0431-862835

Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:

وحید احمد

تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

Ph:0431-881379

پبلشر ماہر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020

E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
اداریہ	وحید احمد	1
دنیا و آخرت میں جھوٹ کے نقصانات	مولانا غلام ربانی کشمیری	3
تصوف کا مقام و اہمیت	محمد صدیق ڈار توحیدی	10
حدیث کی حقیقت اور خواب کی تعبیر	آفتاب احمد خانؒ	19
مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	21
پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ مقدس ہندو لٹریچر میں	محمد فاروق امریکا	27
کفار سے رواداری	محمد صدیق ڈار توحیدی	29
استحکام پاکستان اور روحانی جمہوریت	کے ایم اعظم	36
مسلم ٹاؤن کے باباجی	ابن طاہر	46
اپنے آپ کو پہچاننے کا بیان	امام ابو حامد محمد الغزالیؒ	49
اسلامی ریاست اور علمی و فنی ماہرین کی سرپرستی	ظفر اقبال اعوان	57
نعت	امجد نواز صدیقی	62

اداریہ

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے وہ سب انسانوں کیلئے ہے۔ جس دور میں حضورؐ کی بعثت ہوئی وہ ایسا تھا کہ جس میں انسان خود ساختہ خداؤں اور مخلوق کی بندگی کے بوجھ سے دبا ہوا تھا۔ خدا کے خوف کی بجائے مخلوقات کے خوف میں مبتلا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر خدا کے سوا ہر شے کا خوف انسانوں کے دِلوں سے نکال دیا۔ دنیا کے تمام پست و بلند اور نشیب و فراز کو برابر کیا۔ قوموں اور ذاتوں کا امتیاز اُٹھا دیا دولت، فقر، رنگ و روپ، نسل، قومیت کے نشانات مٹ گئے اور فخر و غرور اور جبر و ظلم کا بازار سرد پڑ گیا سب انسان خدا کے بندے، سب اِس کے سامنے برابر، سب باہم بھائی بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتایا کہ رات، دن، آفتاب، ماہتاب، ستارے، جانور، دریا، آگ، درخت غرض کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے بنی ہے اور وہ انسان کی خدمت گزاری میں مصروف ہے پھر اس انسان سے بڑھ کر اور کون نادان ہے جو اپنے خدمت گزاروں میں سے کسی کو اپنا معبود بنائے۔

اُنہوں نے اپنی وحی کے ذریعے سے دنیا کو یہ نکتہ سمجھایا کہ انسان اِس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اشرف ہے وہ خدا کی نیابت کا فرض انجام دینے آیا ہے اِس کا سر خلافت الٰہی کے تاج سے ممتاز ہے! کروڑوں مخلوقات الٰہی میں خدا کی امانت کا حامل وہی ہے، یہ منصب نہ فرشتوں کو ملا، نہ آسمانوں کو، نہ زمینوں کو اور نہ پہاڑوں کو، قرآن مجید نے کہا کہ انسان بزرگیوں سے سرفراز، عالم مخلوقات میں سب سے برتر اور انعام و اکرام سے معزز ہے اِس میں برو بحر پر چھا جانے کی قوت ہے اِس کی ہستی، معتدل قویٰ اور بہترین اندازے کے ساتھ مخلوق ہوئی ہے وہ کائنات میں خلیفۃ اللہ بن کر آیا ہے تو اب وہ کائنات میں خدا کے سوا کس کو سجدہ کرے؟

غرض محمد رسول اللہ کی تعلیم نے انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اُٹھا کر صرف ایک

خدا کے آستانہ پر جھکا دیا اور بتا دیا کہ دنیا کی ساری چیزیں انسان کے کام میں لگی ہوئی ہیں اور اس کیلئے بنی ہیں اب بتاؤ کہ وہ زمین کی کس ہستی کے سامنے اپنا سر جھکائے ؟

دنیا نے انسانیت کی اِس بلند سطح حقیقت شناسی کے اِس اعلیٰ تخیل اور ادائے فرض کے اس قوی احساس تک جو ترقی کے قدم اُٹھائے ہیں اِن کا مبداء اور دیباچہ بھی قرآنی تعلیمات تھیں۔ جنہوں نے انسان کی حقیقت اِس پر آشکارا کر کے اس کو خود شناس بنایا، ادائے فرض کی صورتیں سمجھائیں، افراد و اقوام کی شیرازہ بندی کی اور اِن کو ایک سطح پر لا کر یک رنگی کا لطف پیدا کیا، یہی چیز تھی جس سے بکری اور اُونٹ چرانے والے انسان، عالم کے گلہ بان بن گئے۔ ریت کے ذروں سے کھیلنے والے بدوی سیم وزر اور تخت و تاج پر بازی لگانے لگے

لیکن آج کا انسان اپنے مقام و مرتبہ کو بھلا بیٹھا ہے۔ وہ پیغام جس نے انسان کو اِس کے مقام سے آگاہ کیا وہ تو موجود ہے۔ لیکن اِس کے مبلغ خود اِس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ آج ضرورت اِس امر کی ہے کہ خالق کائنات نے جو ہدایت نازل فرمائی ہے اِس کو زندگی کا مقصد اور نصب العین بنایا جائے۔

والسلام

وحید احمد

دنیا و آخرت میں جھوٹ کے نقصاناتُ

مولانا غلام ربانی کشمیری

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جب زبان جھوٹی ہو جاتی ہے تو دل میں بھی صورت کا ذہنی تصویر پھی چلی جاتی ہے اور کجی آ جایا کرتی ہے خصوصاً جبکہ جھوٹ کے ساتھ فضول اور لغو گوئی بھی شامل ہو تو اس وقت تو قلب بالکل ہی سیاہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کثرت کلام سے قلب مر جاتا ہے اور معرفت الٰہی حاصل کرنے کی اس میں قابلیت ہی نہیں رہتی۔ جناب نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ''جھوٹ بولنا مسلمان کی شان نہیں اور ایمان اور جھوٹ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے یاد رکھو کہ جھوٹ بولنے سے قلب میں کجی آ جاتی ہے اور خواب بھی سچے نظر نہیں آتے مذاق میں بھی دوسروں کو ہنسانے کیلئے جھوٹ نہ بولو اور ہمیشہ جھوٹے خیالات اور خطرات سے قلب کو بچائے رکھو ورنہ قلب میں کجی پیدا ہو جائے گی اور تجربہ اس چیز کا شاہد ہے کہ ایسے آدمیوں کو خواب بھی سچا نظر نہیں آتا'' (تبلیغ دین ۹۷-۱۰۰)۔

جھوٹ ایک سخت ترین گناہ ہے اللہ تعالیٰ گناہوں پر جو سزا دیتے ہیں وہ گناہ و معصیت کے اعتبار سے مختلف مراتب رکھتی ہے۔ علامہ ابن قیم نے الجواب الکافی میں بہت عمدہ طریقے سے مختلف قسم کے معاصی پر جو سزائیں مرتب ہوتی ہیں انہیں تحریر فرمایا ہے جو کہ ہر شخص کیلئے قابل عبرت ہے چنانچہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔ ''معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ گناہوں سے اس کا حقیقی دوست سب سے بڑا مشفق ناصح نفع رساں اور موجب سعادت رفیق اس سے دور بھاگتا ہے۔ اور وہ موکل و مامور فرشتہ جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کیلئے مقرر کر رکھا ہے اس سے دور ہو جاتا ہے اور شیطان قریب ہو جاتا ہے جو سب سے بڑا مکار عیار فریبی اور سب سے بڑا ضرر رساں اور جس درجہ کا گناہ ہو جاتا ہے اسی قدر محافظ فرشتہ بھاگ جاتا ہے بھی صرف ایک جھوٹی بات سے یہ فرشتہ میلوں دور بھاگ جاتا ہے چنانچہ بعض آثار میں وارد ہے ۔ترجمہ: ''جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بد بو منہ سے متوکل (ایک فرشتہ) ایک میل دور بھاگ جاتا ہے۔ جب ایک جھوٹ سے یہ متوکل فرشتہ اس قدر دور بھاگ جاتا ہے تو اس سے بڑے اور فحش گناہوں سے وہ کس قدر دور بھاگتا ہوگا؟'' (دوائے شافی ترجمہ الجواب الکافی صفحہ ۲۰۲)۔

تلخی اور شیرینی کی طرح خوشبو اور بدبو بھی روحانیت کے عالم میں محسوسات میں سے ہیں

انکومجاز اور استعارات پر محل نہ کرنا چاہیے بلکہ ہمت بلند کر کے وہ قدم اٹھانا چاہیے، جہاں حاسہ شامہ کو وہ قوت میسر آئے کہ صدق اور کذب کی خوشبو اور بدبو بھی عام خوشبو اور بدبو کی طرح محسوس ہونے لگے۔

ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کذب ایک دروازہ ہے نفاق کے دروازوں میں سے نیز آپکا ارشاد ہے۔ترجمہ ''بچوتم جھوٹ سے کہ وہ بدکاری کے ساتھ اور وہ دونوں دوزخ میں ہیں'' اور لازم پکڑو سچ کو کہ نیکی کے ساتھ ہے اور وہ دونوں جنت میں ہیں (اور جھوٹ بولنے والے پر ایک وبال یہ بھی پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی روزی کم کر دیتا ہے) جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''جھوٹ کم کرتا ہے روزی کو''۔

سرکار دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے یہ جواب دیکھا ہے کہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ چل، میں اس کے ساتھ ہولیا اتنے میں دو آدمیوں کو دیکھا ایک بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہوا ہے اور اس دوسرے کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہے کہ بیٹھے ہوئے کی باچھ میں ڈال کر اتنا چیرتا ہے کہ وہ اس کے کندھوں تک آجاتی ہے پھر وہ دوسری باچھ میں ڈال کرتا ہے اتنے میں پہلی باچھ جوں کی توں ہو جاتی ہے۔پس جو شخص مجھے لے گیا تھا اس سے میں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔اس نے جواب دیا کہ یہ جھوٹ بولنے والا آدمی ہے اس کو قیامت تک یہی عذاب ہوتا رہے گا۔

عبداللہ بنؓ اجواد سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ مومن زنا کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔میں نے عرض کیا کہ مومن جھوٹ بولتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اصحاب رسول اکرم ﷺ کو جھوٹ سے زیادہ کوئی بری عادت معلوم نہ ہوتی تھیں۔اور عمر بنؒ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے پائجامہ باندھنے کی تمیز جامہ باندھنے ہوئی ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔

حضرت موسیٰ نے جناب باری میں عرض کیا کہ تیرے بندوں میں بہ اعتبار عمل ان کون اچھا ہے۔(مذاق العارفین ''ترجمہ احیاء العلوم، جلد سوئم، باب چہارم)

(ایک جھوٹ سے جو بچی توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت سے گناہوں سے بچا لیتا ہے) جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدثؒ دہلوی نے ایک صحابیؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ میں چار حصلتیں بہت بری ہیں ایک تو زنا کرنا، دوسرا چوری، تیسرا شراب، چوتھا جھوٹ بولنا سوان چار چیزوں کا ایک بارہی مجھ سے چھوٹنا ممکن

نہیں ہے۔ ان چاروں چیزوں میں سے ایک چیز جو آپ ﷺ فرماتے ہیں اس کو میں چھوڑ دوں گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ بولنا چھوڑ دے۔ اس نے آسان سمجھ کر مان لیا اور اپنے گھر گیا جب رات ہوئی تو ارادہ کیا کہ شراب پیئے اور زنا کرے لیکن اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ صبح کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اگر آپ ﷺ مجھ سے پوچھیں گے آج رات تو نے شراب پی کر زنا کیا پھر اگر سچ کہوں گا تو فضیحت ہوں گا اور حد شراب اور زنا کی مجھ پر جاری ہوگی اور انکار کروں گا تو جھوٹ ہوگا۔ اور جھوٹ سے میں نے توبہ کی ہے آخر ان دونوں چیزوں کو چھوڑا۔ پھر جب رات آئی اور سب لوگ شہر کے سونے میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت اس نے چوری کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دل میں وہی خیال آیا اگر اس چوری کا حال مجھ سے پوچھا گیا پھر اگر میں نے اقرار کیا تو فضیحت ہوا۔ اور ہاتھ کاٹا گیا اور اگر جھوٹ بولا اور انکار کیا تو توبہ کے خلاف ہوگا۔ حاصل کلام یہ کہ اس سے بھی ہاتھ اٹھایا اور صبح کو رسول اکرم ﷺ کی خدمت بابرکت میں مشرف ہوا اور عرض کی! کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ایسی چیز کی مجھ سے توبہ کرلی کہ جتنی بری خصلتیں مجھ میں تھیں خود بخود مجھ سے چھوٹ گئیں آنحضرت ﷺ بھی بہت خوش ہوئے (تفسیر عزیزی صفحہ ۵۵، پ ۲۹)۔

بہت سے گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے بچنے کی بنا پر کئی دوسرے گناہوں کا سد باب ہو جاتا ہے۔ اور جھوٹ بھی ایک ایسا ہی گناہ ہے کہ اس سے بچنا کئی گناہوں سے بچنے کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ واقعہ بالا سے معلوم ہوا۔ اس کے بعد چند احادیث ایسی نقل کی جاتی ہیں جو انشاء اللہ دروغ گوئی سے بچنے کیلئے کافی و شافی ہوں گی۔ ترجمہ: ''ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مومن کی فطرت میں تمام عادتیں ہو سکتی ہیں مگر خیانت اور جھوٹ کی عادت نہیں ہو سکتی۔ واضح ہے کہ خیانت اور اتفاقیہ جھوٹ مومن سے بھی سرزد ہو سکتا ہے لیکن وہ اس کا عادی نہیں ہو سکتا، اگر اس میں یہ عادت پیدا ہو گئی ہے تو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ اب اس میں نفاق کے جراثیم داخل ہونے لگے ہیں اور اس کا ایمان زخمی ہو چکا ہے رہ گئی خیانت تو وہ امانت اور ایمان کی ضد ہے یہ صفات ذمیمہ بھی اس میں پیدائشی نہیں ہو سکتیں عارضی اثرات سے سب کچھ ممکن ہے۔ یہاں حدیث خلقت کی نفی کر رہی ہے۔

حدیث نمبر۲: صفوان بن سلیمؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ مومن بزدل ہو سکتا ہے فرمایا کہ ''جی ہاں'' پھر پوچھا گیا اول نمبر کا جھوٹا ہو سکتا ہے فرمایا ''جی نہیں''۔

حدیث نمبر۳: عبداللہ بن جوادؓ روایت کرتے ہیں کہ ابو الدرداءؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ

کیا مومن جھوٹ بولتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جس شخص کی عادت یہ ہو کہ بات کرے تو جھوٹ ہی بولے وہ نہ تو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر''۔

حدیث نمبر ۴: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کا عمل کیا ہے، فرمایا سچ بولنا، جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیک ہو جاتا ہے اور ایماندار ہو جاتا ہے، اور جب ایماندار بن جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس نے پوچھا دوزخ کا کیا عمل ہے۔ فرمایا جھوٹ بولنا، جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حدود شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جب کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۵: عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمیا کہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑ جاتا ہے۔ اور دیکھو جھوٹ سے بچنا کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذاب پڑ جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۶: سفیان بنؓ اسید روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ یہ بھی خیانت کی ایک بڑی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے اس طرح کی معنی خیز مفیض باتیں بتاؤ کہ تم کو سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کذب بھی ایک قسم کی خیانت ہے، خیانت صرف ہاتھ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام انسانی اعضاء کی صفت ہو سکتی ہے ہاتھ کی خیانت ناجائز مال حاصل کرنا، زبان کی خیانت واقع کے خلاف بات زبان سے نکالنا اور آنکھ کی خیانت خلاف شرع نظر اٹھانا ہے۔ میں آنکھ کی اس خیانت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ایمان جب قلب میں سرایت کر جاتا ہے تو پھر رگ رگ میں سما جاتا ہے آیت یعلم خائنۃ الاعین اور عضو عضو سے خیانت نکل جاتی ہے جب تک مومن کی رگ رگ میں اس طرح امانت سرایت نہیں کرتی، وہ پورا مومن نہیں کہلاتا اس لئے حدیث میں ہے (ایمان لہ لمن امانۃ لہ)

حدیث نمبر ۷: ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے

پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

حدیث نمبر ۸: عبداللہؓ بن عامر کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا اس وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں رونق افروز تھے میری والدہ نے کہا ادھر آؤ میں تجھے کچھ دوں گی۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم نے اس کو کیا دینے کا ارادہ کیا ہے وہ بولیں کہ میں نے ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کہیں تو نے یہ ارادہ نہ کیا ہوتا۔ تو اتنی سی خلاف واقع بات بھی تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دی جاتی۔

حدیث نمبر ۹: حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک جھوٹ سے زیادہ کوئی اور عادت قابل نفرت نہ تھی کوئی شخص آپ ﷺ کے سامنے جھوٹ نہیں بولتا جب تک وہ اس سے توبہ نہ کہتا آپ ﷺ کے قلب مبارک میں اس طرف سے ناگواری کا اثر برابر محسوس ہوا کرتا۔

حدیث نمبر ۱۰: بھز بن حکیم اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اس شخص پر افسوس صد افسوس جو صرف اتنی بات کیلئے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگوں کو خوش کردے اور لوگوں کو ذرا ہنسا دے۔ امراء اور بڑے لوگوں کے دربار میں کچھ لوگ ظریف بھی مقرر ہوا کرتے تھے جن کے سپرد صرف یہی خدمت ہوا کرتی تھی وہ جھوٹ یا سچ بول کر ان کی محفل کو گرم کیا کریں۔ اسلام نے اس کو صرف ایک کذب ہی کا مرتبہ نہیں دیا بلکہ انسانیت اور اخلاق سے گری ہوئی بات قرار دی ہے کہ ہر انسان صرف اپنے جیسے انسان کی خاطر ایسی خفیف حرکات پر آمادہ ہو جائے۔

حدیث نمبر ۱۱: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا حالانکہ وہ بری اور بیکار بات ہے۔ اس کا صحن جنت میں مکان بنے گا اور جائے گا اور جسے جھگڑا کرنا چھوڑ دیا حالانہ وہ حق پر تھا اس کیلئے وسط جنت میں مکان بن گا ور جس نے اپنے اخلاق درست کر لئے اس کیلئے جنت کے اعلیٰ طبقہ میں مکان بنایا جائے گا۔ جھوٹ بولنا اور جھگڑا کرنا دونوں نفاق کی خصلتیں ہیں جس میں جھگڑا کرنا جھوٹ سے زیادہ سخت ہے۔ جھوٹ باطل ہو کر چھوڑنے کی چیز ہے اور جھگڑا کرنا سچے معاملہ میں بھی پسندیدہ نہیں عدالتی چارہ جوئی جدا چیز ہے جس کو عرف میں جھگڑا کہتے ہیں۔ وہ سچے معاملات میں بھی اعلیٰ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے اس لئے فرمایا کہ جس نے اپنے اخلاق سنوار لئے اس نے تو جنت کے اعلیٰ طبقہ کا سامان کر لیا۔

حدیث نمبر۱۲: ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیکھو خبردار بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی ایک بدترین جھوٹ ہے اور لوگوں کے عیوب تلاش کرنے میں نہ رہو، جاسوسی بازی مت کرو باہم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، آپس میں بغض نہ رکھو غصہ کے ساتھ ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ اس حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ مومن کی صدق وصفا کی منزل صرف اس کے لطف پر جا کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اس سے گزر کر اس کے ظنون وخیالات تک بھی پہنچتی ہے یعنی خلاف واقع بات منہ سے نکالنا اور کسی کے متعلق واقع کے خلاف بدگمانی کرنا دونوں جھوٹ ہیں اور دونوں میں بڑھ کر یہ دوسرا جھوٹ ہے کہ سوسائٹی کا سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اس میں باہم ایک دوسرے کے عیوب کی چھان بین کی جائے۔ اس عادت بد سے باہم منافرت پھیلتی ہے اور نفسیاتی لحاظ سے جو عیب پہلے نہ ہوں ان کے بھی جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اس کے برخلاف حسن ظن سے انس ومحبت کی فضاء پیدا ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کے نفس میں شرافت وکرم کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں پھر مسلمانوں کے اس عام حسن ظن کی بنا پر رحمت خداوندی بھی ان کے ساتھ ان کے ظن کے مطابق معاملہ کرتی ہے معالات کو تاامکان ظاہر کے تابع رکھنا اور بلا وجہ درپے تجسس ہونا اجتماعی حیات کا ایک اہم اصول ہے سورہ حجرات آیت ولاتجسسوا میں اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

حدیث نمبر۱۳: ابن عباسؓ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جھوٹا جو شخص خواب بنائے (قیامت میں) اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائے (ایسا کہ اس نے دنیا میں گرہ بندی کی تھی) اور ظاہر ہے کہ یہ ہرگز اس کی قدرت میں نہ ہوگا اور جو شخص لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنے گا اس حال میں کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں (راوی کو شک ہے) تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اور جو شخص کسی جاندار کی صورت بنائے اس سے کہا جائے گا اس میں روح بھی ڈال اور ظاہر ہے وہ روح ڈال نہیں سکے گا بالآخر اس کو عذاب ہوگا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بدنما بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے متعلق ایسی چیز کا دیکھنا بیان کرے جو انہوں نے نہیں دیکھی (یعنی جھوٹا خواب بنائے) ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ صدق وصفا کا احاطہ صرف حالت بیداری تک ختم نہیں ہوتا بلکہ حالت نوم تک بھی کھینچتا ہے اگر کوئی شخص حالت خواب کے متعلق بھی کوئی جھوٹا کلمہ کہے تو وہ بھی سخت مجرم ہے۔ بلکہ اس کا جرم دوسرے شخص سے زیادہ ہے کیونکہ مومن کا خواب نبوت کا چالیسواں جز ہے اور یہ اسے بھی گندا کرتا

غرض اس باب میں کذب کی جتنی صورتیں گزر چکی ہیں ان میں سب سے احتراز کرنے کے بعد آپ منزل صادق کو حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں نفاق کا شعبہ ہیں۔ ان سے چھوٹا یا بڑا کوئی بھی شعبہ اگر مومن کے اندر موجود ہے۔ تو اس میں نفاق کا ایک شعبہ موجود ہے۔ وہ مومن صادق نہیں پھر یہ تو کسی کسی کے نصیب ہیں۔ کہ مومن صدیق کی فہرست میں داخل ہو جائے جس کے سردار صدیق اکبرؓ۔

شیخ سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ جھوٹ کی مذمت میں فرماتے ہیں

کسے را کہ گردو زبان دروغ
چراغ دلش رانیا شد فروغ

ترجمہ:۔ جس شخص کی ہو جھوٹ کی زبان! اس کے دل کے چراغ کیلئے نہیں ہوتی روشنی" حاصل یہ ہے کہ کذب بیانی اور جھوٹ کا عادی شخص مردہ دل ہوتا ہے۔

دروغ آدمی راکند شرمسار
دروغ آدمی راکند بے اوقار

ترجمہ:۔ جھوٹ انسان کو کرتا ہے شرمندہ، جھوٹ انسان کو کرتا ہے بے عزت۔

دروغ اے برادر، مگوز ینہار
کہ کاذب بودخوارو بے اعتبار

ترجمہ:۔ جھوٹ اے بھائی مت بول ہرگز کیونکہ جھوٹ ہوتا ذلیل اور بے اعتبار عقل مند جھوٹے کی صحبت سے بھی عار محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ جھوٹا آدمی مہذب معاشرہ میں ذلیل اور بے وقار سمجھا جاتا ہے اور بے وقار، ہم نشیں بھی شرفاء کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ لہذا جھوٹ کی طرح جھوٹے شخص سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

زندگی کا اکثر حصہ تو غفلت اور معصیت میں گزر گیا ہے۔ بقیہ لمحات زندگی اللہ ہمیں اپنی اطاعت میں گزارنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور ہر مسلمان کو ارتکاب کزب اور ہر قسم کی معصیت سے بچائے اور اعمال صالحہ کرنے کی توفیق فرمائے۔ (آمین)

ہے ایک اپنا نالہ بھی اگر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

تصوف کا مقام و اہمیت

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

مقام احسان! حضور نبی کریم ﷺ کی ایک طویل حدیث جو حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے جس میں صحابہ کی موجودگی میں حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی صورت میں تشریف لائے اور حضور ﷺ سے تین سوالات دریافت کرنے کا ذکر ہے۔ وہ سوالات یہ تھے۔ (۱) ایمان کیا ہے؟ (۲) اسلام کیا ہے؟ (۳) احسان کیا ہے؟ جب جبریل چلے گئے تو حضورؐ نے صحابہ کو بتایا کہ یہ جبریل تھے اور آپ کو دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔ اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایمان، اسلام اور احسان۔

احسان کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے جو جواب ارشاد فرمایا۔ وہ یہ تھا کہ ''تو اپنے رب کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اُسے نہ دیکھ سکے تو یقیناً وہ تجھے دیکھ ہی رہا ہے''۔ اِس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ارکان ایمان پر بالغیب ایمان لانے اور ارکان اسلام کی پابندی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دین ہی کا جزو ہے کہ اپنے اندر باطنی اور رُوحانی طور پر وہ صلاحیت پیدا کی جائے جس سے اللہ کا قرب ولقاء میسر آ سکے اور نمازوں میں حضوری نصیب ہو جائے تا کہ وہ '' الصلوٰۃ معراج المومنین '' کی مصداق بن جائیں مرتبہ احسان کا حصول ہی تصوف کا مقصود ہے۔ لیکن تصوف کا لفظ قرآن وحدیث میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ کے مبارک دور میں دوسرے علوم مثلاً صرف ونحو، علم الکلام، فقہ اسماء الرجال، علم التفسیر، علم الحدیث کی طرح تصوف بھی مدون نہیں ہوا تھا۔ اِن سارے اسلامی علوم کو بعد کے ادوار ہی میں ترقی ملی اور ان کے جاننے والوں کو شہرت نصیب ہوئی۔ اگر چہ حضورؐ کے سارے صحابہؓ صوفی تھے۔ اُن میں فقیہہ بھی تھے محدث بھی اور مفسر بھی لیکن صحابیت کا اعزاز اتنا اعلیٰ وارفع، قابل رشک اور باعث اکرام تھا کہ تصوف کا نام تو نہ تھا لیکن اس کا کام بہر صورت ہو رہا تھا کیونکہ مقام احسان جب دین کا اہم جز ٹھہرا تو اِسے کسی صورت میں بھی نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس مرتبہ کے حصول کیلئے قرآن اور احادیث میں جن محاسن کا ذکر آیا ہے اُن کا مختصر سا تعارف باعث ترغیب اور وجہ ازیاد شوق ہوگا۔

دل بینا اہل تصوف کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اللہ کی ذات کا مشاہدہ ظاہری

آنکھوں سے ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن کثرت ذکر اور تزکیہ باطن کے ذریعہ دل میں ایک آنکھ پیدا ہو جاتی ہے جو ذات باری تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہے۔ جو لوگ اِس زندگی میں اِس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے وہ آخرت میں بھی اُسے حاصل نہ کر سکیں گے۔ اِس دعوے کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

من کان فی هذه اعمی فهو فی الاخرة اعمی و اضل سبیلاo

ترجمہ! جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا، اور اس سے جو زیادہ گمراہ ہوگا۔

(بنی اسرائیل۔۷۲)

یعنی جس نے اللہ کو یہاں نہ دیکھا وہ وہاں بھی نہ دیکھ سکے گا۔ قرآن پاک میں یہ تشریح کر دی گئی ہے کہ یہ اندھا پن ظاہری آنکھوں کا نہیں ہوتا۔ ارشاد ہوتا ہے!

فانما لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

پس بیشک ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ بلکہ سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔ (الحج۔۴۶)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ قیامت میں اندھے پن کی سزا اللہ کے ذکر سے رُوگردانی کے سبب دی جائے گی۔

ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا و نحشره یوم القیٰمة اعمی۔ (طٰہٰ۔۱۲۴)

جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا اس کیلئے تنگی کا جینا ہے اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا اُٹھائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ دل کی بینائی کا انحصار اللہ کے ذکر پر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار جیسی انمول نعمت کے حصول کیلئے دل کی اصلاح تصوف ہی کا موضوع ہے۔ طالبان راہِ حق اور عاشقانِ ذات کے لئے یہی علم اُمید کی کرن عطا کرتا ہے۔ اِسی کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے سے دل میں وہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ذات کا دیدار کر سکے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:۔

نہ ایں عالم حجاب اُورا نہ آں عالم نقاب اُورا
اگر تاب نظر داری نگا ہے میتواں کردن

یعنی اللہ کیلئے نہ یہ عالم حجاب ہے اور نہ وہ عالم ہی پردہ ہے اگر اپنے اندر صلاحیت پیدا کر لی جائے تو اسے دیکھنا ممکن ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ذات تک رسائی عقل وخرد اور ظاہری آنکھ کے بس کی بات نہیں یہ دل ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے۔

عقل گو آستاں سے دُور نہیں
اس کی تقدیر میں . حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ دنیا میں دل کی بینائی اور اندھاپن مطمئن زندگی اور تنگی کا جینا اللہ کے ذکر کرنے یا نہ کرنے پر منحصر ہے اور قیامت کے دن آنکھوں کی بنیائی کے باقی رہنے اور چھن جانے کا دارومدار بھی اسی پر ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

"بلاشبہ جسم میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ ٹکڑا دل ہے،، (بخاری)

کثرتِ ذکر اس اہم ترین ٹکڑے یعنی دل کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان فرمادیا۔ **الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب** ۔یعنی خبردار ہو کہ دلوں کا قرار صرف اللہ کے ذکر سے ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد بخاری شریف میں درج ہے کہ "ہر چیز کی صفائی اور صیقل کے لئے کوئی شے ہوتی ہے اور دل کی صیقل یا پالش اللہ کا ذکر ہے"۔ذکر کے اہتمام کیلئے اسلام میں سب سے پہلا انتظام تو یہ کیا گیا کہ پانچ وقت کی نماز ہر مسلمان عورت مرد پر فرض کردی گئی۔ یہ عبادت مقررہ اوقات میں جسمانی طہارت کے ساتھ ظاہری ارکان یعنی رکوع وسجود اور قیام وقعود کی پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور کسی کو کسی بھی حالت میں معاف نہیں ہو سکتی۔ یہ کم از کم نصاب ہے کیونکہ فرض نمازوں کے علاوہ راتوں کو قیام کرنے ،تلاوت قرآن ،نمازِ تہجد اور نوافل ادا کرنے کی بھی بہت فضیلت آئی ہے۔

اگرچہ قرآنی حکم وَ اَقِمِ الصلوٰۃ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ۔۱۴) اور میری یاد کیلئے نماز کھڑی کر، کے مطابق نماز کا مقصد بھی اللہ کا ذکر ہی ہے پھر بھی نمازوں کے علاوہ عام تسبیح وتہلیل اور اللہ کا ذکر کرنے کا حکم ہے اور اللہ کے ذکر کی فضیلت قرآن میں ان الفاظ سے بیان کی گئی ہے۔

ولذکر اللہ اکبر۔ (العنکبوت۔۴۵)

ترجمہ! ''یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے''۔ ذکر کی تاکید کیلئے قرآن میں متعدد آیات موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہاں درج کی جاتی ہیں۔

یاایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکر کثیراo (الاحزاب:۴۱)

اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم۔ (النساء۔۱۰۳)

جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔

واذکر اسم ربك و تبتل اِلیہ تبتیلاo (المزمل۔۸)

اور اپنے رب کے نام (یعنی اللہ) کا ذکر کر اور (قلبی طور پر) سب کو چھوڑ کر اُسی کا ہو جا۔

رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔ (النور۔۳۷)

مرد وہ ہیں جن کو تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے۔

واذکر ربك فی نفسك تضرعا و خیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغفلینo۔ (الاعراف ۲۰۵)

اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ اُونچی آواز نکالے بغیر صبح وشام یاد کرو۔ اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔

اللہ کی طرف سے اِس قدر تاکید اور وضاحت کے باوجود اگر ہم صرف پانچ وقت کی نمازوں پر ہی اکتفا کر لیں اور کثرت ذکر کے احکام کو نظر انداز کر لیں تو یہ غفلت قیامت کے روز بڑی محرومی کا باعث بنے گی۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اللہ کے ذکر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

عن ابی موسیٰ ؓ قال قال النبی ﷺ مثل الذی یذکر ربہ

مثل الحی والمیت (بخاری، مسلم، بیہقی)

ابی موسیٰ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی ہے اور دوسرا مردہ۔

ایک اور حدیث شریف میں اللہ کے ذکر کی فضیلت اور ذکر کرنے والوں کی سعادت بیان کی گئی ہے حضور ؐ نے ارشاد فرمایا۔

لا یقعد قوم یذکرون اللّٰہ الا حفتھم الملٓئِکۃُ وغشیتھم الرحمۃ و نزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللّٰہُ فیمن عندہ ھم القوم لا یشقی جلیسھم۔ (مسلم، بخاری)

کوئی گروہ جب ذکر کیلئے بیٹھتا ہے تو فرشتے انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت اُن پر چھا جاتی ہے اور سکینہ اُن پر نازل ہوتی ہے اور اللہ فرشتوں میں اِن کا ذکر کرتا ہے وہ ایسی جماعت ہے کہ اُن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوگا۔

اللہ کے ان احکامات اور حبیب خدا کے فرمودات سے کثرت ذکر کی اہمیت و فضیلت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اللہ کے مقرب و مقبول بندوں میں شامل ہونے اور مرتبہ احسان تک پہنچنے کیلئے ذکر دوام کا اہتمام لازمی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی راہ ہے جس میں اللہ کی محبت کو تمام مخلوقات کی محبت پر مقدم رکھنا ہوتا ہے۔ اللہ مالک الملک نے قرآن کی سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۱۱ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”اللہ نے مومنوں سے اُن کے مال اور جانیں جنت کے بدلے میں خرید لی ہیں“۔ جب جان و مال بک گئے اور ان کی قیمت طے ہوگئی تو اُن پر اب اپنا کوئی حق، اختیار یا تصرف باقی نہ رہا۔ یہ خریدنے والے کی ملکیت ہمارے پاس بحیثیت امانت ہے ان میں مالک کے حکم کے علاوہ جو تصرف ہم کریں گے وہ ظلم ہوگا۔ حقیقی اسلام یہی ہے کہ ہم مکمل خود سپردگی کے ساتھ اللہ کی کامل اطاعت میں داخل ہو جائیں۔ اِس خیال کو علامہ اقبال نے کس خوبی سے باندھا ہے:۔

یہ شہادت گاہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۶۵ میں مومنین کی ایک خاص خوبی بیان

فرمائی۔ **والذین امنوا اشد حبا للّٰہ**۔ یعنی ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں۔ اللہ سے شدید محبت کا تقاضا ہے کہ اللہ کی محبت دوسری تمام محبتوں پر غالب اور فائق رہے۔ ایک مومن کسی بھی حالت میں اپنے خالق و مالک، اپنے محبوب و مطلوب اور اپنے معبود اللہ کو فراموش نہ کرے ورنہ محبت خام ٹھہرے گی۔ یہ کیسی محبت اور کس قسم کا پیار ہے۔ کہ کوئی لمحہ ایسا ہو جس میں محبوب کے علاوہ کوئی دوسرا یعنی اِس کا ماسواء تو یاد ہو۔ لیکن محبوب کی یاد پس منظر میں چلی جائے یا بالکل ہی محو ہو جائے۔ اللہ کے پیار کرنے والوں کے دستور میں ایسی گھڑی کفر کی گھڑی شمار ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفرہ

یعنی جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی اِس نے کفر کیا۔

نماز بھی تو اللہ کا ذکر ہی ہے۔ جب اِس کا ترک کرنا کفر ٹھہرا تو اللہ والوں کے خیال میں غفلت میں گزرنے والا سارا وقت کفر ہی میں شمار ہوتا ہے۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کا ایک بہت مشہور و معروف پنجابی شعر اِس خیال کی بڑی خوبصورت عکاسی کرتا ہے۔

جو دم غافل، سو دم کافر، سانوں مرشد ایہہ سمجھایا ھو
سنیا سخن، گیاں کھل اکھیں، اساں چت مولا ول لایا ھو
کیتی جان حوالے رب دے اساں ایسا عشق کمایا ھو
مرن تھیں مر گئے اگے باھو تاں مطلب نوں پایا ھو

(مرشد نے ہمیں یہ بات خوب سمجھا دی کہ جو سانس اللہ کی یاد سے غفلت میں گزر گیا وہ کفر میں گزرا۔ یہ بات سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں اور ہم نے ساری توجہ اللہ کی طرف لگا لی۔ اپنی جان اللہ کے سپرد کر کے عشق کی راہ پر لگ گئے۔ جب اللہ کے احکام کے مقابلے میں اپنی خواہشات سے اِس طرح دستبردار ہو گئے تو گویا ہم موت سے پہلے ہی مردہ ہو گئے۔ تب مقصود حاصل ہوا۔)

جو لوگ اِس طرح اللہ کی محبت میں ڈوب کر اِس کا ذکر کرتے ہیں ان کیلئے قرآن میں ایسا جانفزا پیغام آیا۔ جس سے اُن کے بے چین دِلوں کو قرار اور پیاسی روحوں کو تسکین ملی۔ اللہ تعالیٰ

نے اس عظیم نعمت کا اعلان سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۵۲ میں یوں فرمایا فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ ۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ سبحان اللہ۔

ایک بندے کیلئے اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ یاد کرے اس کو پیار کا جواب پیار سے ملے۔ وہ تنہائی میں اللہ کو یاد کرے تو اللہ بھی خلوت میں اُسے یاد کرے اگر وہ محفل میں اُس کا ذکر کرے تو اللہ فرشتوں کی محفل میں اُس کا ذکر کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تعلق قائم کرنے کا یقینی ذریعہ اللہ کا ذکر ہے۔ علم تصوف کی روح رواں ہی اللہ کو کثرت سے یاد کرنا ہے۔ اس میں پاس انفاس کا طریقہ سکھایا جاتا ہے یعنی جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی اللہ اور جو سانس باہر آئے اس کے ساتھ بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے ہیں ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ سورہ احزاب آیت نمبر ۳۵ میں فرمایا ہے۔

والذاکرین اللہ والذاکرت اعدلھم مغفرةً واجرعظیماہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر سے غافل ہو جانے والوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

یایھا الذین امنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذٰلك فاولٰئك ھم الخٰسرونo (المنافقون۔۹)

"اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پائیں۔ جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارے میں ہیں"۔

رُوح کی غذا۔ ہر مسلمان اس بات سے آگاہ ہے کہ انسان رُوح اور جسم دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جسم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی خوراک اور آرام و آسائش کا سارا سامان مٹی ہی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن روح "امرِ ربّ" ہے اس لئے اس کا رزق زمین سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی غذا "ذکر رب" ہے۔ جسطرح انسانی جسم غذا کے بغیر کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے اور اگر طویل عرصے تک غذا سے محروم رہے تو موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے اسی طرح روح کا حال ہے وہ بھی اللہ کے ذکر کے بغیر مرجاتی ہے۔ سورۃ یٰسین کی آیت نمبر ۷۰ میں ارشاد ہوا ہے۔

لینذر من کان حیاو یحق القول علی الکفرینo

یعنی "ہم نے اپنا رسول اس لئے بھیجا تاکہ اسے تنبیہہ کرے جو زندہ ہے اور کافروں پر قول

ت ہو جائے''۔ اِس سے مرادرُوح کی زندگی ہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جس کی روح میں اللہ
یاد کی ذراسی رمق بھی باقی ہے۔ وہ ایمان لے آئے تو ایسا ہی ہوگا جیسے ایک ٹمٹماتے ہوئے
اغ کو دوبارہ تیل کی غذا عطا ء ہو جائے۔ اِس کی تصدیق گذشتہ صفحوں میں رقم کی گئی حدیث
یف سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والا مثل زندہ کے ہے اور نہ
رنے والا مثل مردہ کے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حقیقی حیات یہ ہے کہ جسم اور روح دونوں زندہ
ں اور کامل ترین نظام حیات وہی ہے جو جسمانی اور مادی ضروریات کی کفالت کے ساتھ ساتھ
وحانی تقاضوں کی بھی بطریق احسن پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ صرف مادی زندگی پر فدا
نے والوں اور روحانی زندگی کی غذا یعنی اللہ کے ذکر سے کنارہ کشی کرنے والوں کے بارے
ں قرآنِ حکیم میں یہ حکم نازل ہوا:۔

فاعرض عن من تولی عن ذکرنا ولم یرد الاالحیوۃ الدنیا o(
نجم۔۲۹)

''یعنی جو ہمارے ذکر سے رُوگردانی کرے اور صرف دُنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو اِس سے
آپ مُنہ پھیر لیجئے''۔ جس طرح فرد کی زندگی دل کی زندگی پر منحصر ہے اِسی طرح قوموں کی زندگی
کا دارومدار بھی روحانیت کے ارتقاء پر ہے کیونکہ قومیں افراد ہی کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ دِلوں کی زندگی
کے بارے میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔؎

دل مردہ دل نہیں ہے اُسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

دل اللہ کے ذکر اور فیضان الٰہی سے زندگی پاتے ہیں۔ جو قومیں صرف دنیوی زندگی کو مانتی
ہیں اور آخرت کی قائل نہیں ہوتیں اور صرف مادی جسم کی آسائش اور آرائش ہی ان کا منتہائے
مقصود ہوتا ہے اِن کا آشیانہ نازک ہوتا ہے اور اِن کی قومی زندگی نہایت مختصر ہوتی ہے۔ ایسی
قومیں پانی کے بلبلوں کی طرح اُبھرتی اور مٹتی رہتی ہیں۔ اِن سے کبھی بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی
کہ کسی پائیدار تمدن کو وجود میں لاسکیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔؎

جو قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

جب انسان فیضانِ سماوی اور وحی الٰہی سے منہ موڑ کر عقل و خرد کو اپنا امام بنا لیتا ہے تو وہ مادی آسائش کے لئے ہزار ہا سامان تخلیق کر سکتا ہے وہ اپنی سہولت کیلئے سینکڑوں نئی ایجادات کر سکتا ہے لیکن انسانی زندگی سے جور و جبر اور ظلم و استبداد کا خاتمہ کر کے اُسے روحانی انبساط اور کیف و سرور سے آشنا نہیں کر سکتا۔ مادہ پرست معاشرے میں دولت اور سہولتوں کی فراوانی خوشیوں اور مسرتوں میں اضافہ کرنے کی بجائے ذہنی پریشانی اور رُوحانی کرب کا باعث بنتی ہے۔ اس قوم کو رات کی نیند کی خاطر ٹنوں کے حساب سے خواب آور گولیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس سوسائٹی میں دل کے امراض، خودکشی، جنسی تشدد، مار دھاڑ اور طلاقوں کی رفتار میں اضافہ بے قابو ہوتا چلا جاتا ہے۔ بقولِ علامہ اقبالؒ۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہونکا
اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

انسان کی فلاح اللہ کی محبت اور روحی کے اِتباع میں ہے۔ خدا کے عشق کو اپنا امام اور عقل و خرد کو اپنا غلام بنانے میں ہے۔ اللہ کے ذکر کو اپنانے میں ہے، جس سے روح کو قوت اور ذہن کو جلا ملتی ہے۔ جو بھی قوم اِس دستورِ حیات کو اپنا لے گی وہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس طرح آگے بڑھے گی کہ اقوامِ عالم کی قیادت انہی کے قدموں میں ہوگی۔ روح اللہ کے ذکر کے ذریعے سے براہ راست اللہ کی ذات سے فیضان حاصل کرتی ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ اللہ تمہیں زمین اور آسمان سے رزق پہنچاتا ہے۔ ممکن ہے آسمان سے آنے والے رزق سے مُراد یہ فیضانِ الٰہی ہی ہو۔ یعنی خاکی جسم کی غذا خاک سے اور رُوح کی غذا عالمِ پاک سے آتی ہو۔ علامہ اقبالؒ نے بھی جسمانی غذا کے علاوہ ایک دوسرے رزق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

کیا میں نے اِس خاکداں سے کنارا
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ

(جاری ہے)

حدیث کی حقیقت اور خواب کی تعبیر

(آفتاب احمد خانؒ)

"وقت گذرتے دیر نہیں لگتی۔ اس طرح میں قبلہ انصاری صاحبؒ سے تقریباً روزانہ شام کو ملاقات کے لئے حاضر ہوتا رہا۔ ہر ملاقات سے دل اتنا متاثر ہوتا گیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا اور شوق دید اسی حوالے سے بڑھتا ہی گیا۔ آخر ایک ہفتہ گذر گیا اور میں نے دوسرے حلقہ ذکر میں شمولیت کی۔ کسی زمانے میں ایک حدیث مبارکہ نظر سے گذری تھی۔ حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی جماعت اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھتی ہے تو اللہ کے فرشتے اُسے گھیر لیتے ہیں اور رحمت اِن پر چھا جاتی ہے اور سکینت اِن پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اِن کا تذکرہ فرشتوں سے کرتے ہیں (رواہ مسلم) میں اِس حدیث شریف کی اصل حقیقت سے بے بہرہ تھا لیکن جب محفل ذکر شروع ہوئی تو سارے پردے چھٹ گئے اور حضور پاک ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ مکمل اطمینان اور روحانی استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی اور اللہ بہت قریب تھا۔ شہ رگ سے بھی قریب۔ سبحان اللہ، ذکر پاک اِس طرح اختتام پذیر ہوا۔ میں قبلہ حضرتؒ کی داہنی جانب قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

"کیوں حلقہ ذکر کیسا رہا"۔ میں نے عرض کیا کہ جناب کیا عرض کروں میرے پاس اس کیلئے الفاظ نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اِسی لئے سرخ ہو رہے ہو اور مزید یہ فرمایا کہ یہ کسی کا کمال نہیں ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذِکر اور رسول اللہ ﷺ کے درود پاک کا کیا دھرا ہے۔ بس جو توحید اور رسالت پر قائم ہو گیا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو گیا۔ بس دلجمعی سے اِس کام میں لگے رہو بہت کچھ حاصل ہو گا۔ آپ نے خاص طور پر پاس انفاس کرنے کی تاکید فرمائی اور اس کا طریقہ بھی کر کے دکھایا۔ پھر آپ نے مجھے "طریقت توحیدیہ" کی ایک کاپی عنایت کی اور فرمایا کہ اس میں سب کچھ ہے اِسے غور سے پڑھو۔ 1947ء میں ستمبر کے مہینے میں جب میں اپنے خاندان کے ساتھ کلانور سے ہجرت کر کے پاکستان آیا تو ایک رات مکان کی چھت پر میں اکیلا ہی لیٹا ہوا تھا۔ میں چاند کی چاندنی میں بھی اپنے آپ کو بہت ہی غمگین اور اداس محسوس کر رہا تھا۔ میں

گہری سوچ میں تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے کیا کھویا اور یہاں پاکستان میں کیا پایا۔ ہندوستان کی مساجد، اولیاء کرام کی مزارات اور دیگر عالی شان عمارات میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھیں۔ اسی اداسی میں میں نے درود پاک کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد مجھ ہوش میں نہ تھا لیکن پھر بھی بلند آواز سے درود پاک پڑھتا رہا۔ میرے والد صاحب نے میری آواز سنی تو وہ میرے پاس آ گئے۔ اُنہوں نے مجھے جھنجھوڑا اور میں اِس حالت سے بیدار ہوا۔ والد صاحب فرمانے لگے کیا بات ہے تم رو کیوں رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں۔ میں تو درود پاک پڑھ رہا تھا کہ ہوش نہیں رہا۔ پھر کچھ دیر بعد مجھے نیند نے آ گھیرا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پرانی کھنڈر عمارت کی ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں ہیں۔ میرا جی چاہا کہ اپنے غم کی بھڑاس آنسوؤں سے نکال لوں اور پھر میں سیڑھیوں پر اوندھے منہ لیٹ گیا اور جی بھر کر رویا۔ روتے روتے مجھے سیڑھیوں کی خاک، سانس کے ساتھ اپنے حلق میں جاتی محسوس ہوئی۔ پھر مجھے سیڑھیوں کے اوپر کسی بزرگ کی موجودگی محسوس ہوئی۔ میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو واقعی تقریباً 75 سالہ ایک بزرگ بڑی تمکنت کے ساتھ وہاں تشریف فرما تھے۔ ان کی آنکھیں سرخ اور بارعب تھیں جیسے اِن سے شعائیں نکل رہی ہوں اور وہ خاموشی سے میری طرف دیکھ رہے تھے مگر میرے کان اِن کے الفاظ یوں سن رہے تھے۔ "یہ تم ٹھیک کہتے ہو کہ مسلمانوں کو جو ہندوستان چھوڑنا پڑا ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہوا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا اب ہندوستان کا ایک خطہ مکمل طور پر ہمارا اپنا ہے۔ اب ہمیں یہاں ایک نئی زندگی کا آغاز حق اور صداقت کے اصولوں پر کرنا ہے۔ رونے کی کوئی بات نہیں ہمیں صبر و ہمت سے اِس کام میں لگ جانا چاہیئے۔ آج حلقہ ذکر کے بعد جب میں نے قبلہ حضرت انصاری صاحبؒ کو دیکھا تو فوراً اِس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تو وہی کھنڈر کی عمارت کی سیڑھیوں والے بزرگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ 15 برس بعد میرے خواب کی تعبیر حقیقت بن کر میرے سامنے آ گئی۔ میں نے قبلہ حضرتؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ اِن کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

ملوکیت نے دین اور دُنیا میں تفریق تو پہلے ہی سے قائم کردی تھی اور اِس غیر اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کی اجتماعی اخلاقی اور دینی زندگی کو تباہ کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر اس غیر اسلامی تصوف نے پوری کردی کیونکہ شریعت اور طریقت کی تفریق سے اباحت مطلقہ کا دروازہ کھل گیا اور مسلمانوں کی روحانی زندگی ختم ہو کر رہ گئی۔

قرامطہ کو اِس تفریق کی ضرورت اِس لئے بھی پیش آئی کہ اگرچہ اُنہوں مصلحتاً تصوف کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مگر دل تو بدستور غیر اسلامی تھا اِس لئے انہوں نے اِس نکتہ معرفت کو شدومد کے ساتھ پیش کیا تا کہ کوئی شخص اِن پر عدم پابندی شرع کا الزام عائد نہ کر سکے۔ علاوہ ازیں اِن جعلی صوفیوں کے حاشیہ نشینوں نے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ نماز پنجگانہ تو عوام کیلئے ہے یہ حضرات تو ہر وقت نماز میں مشغول رہتے ہیں۔

اِس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں قلندری اور ملامتی درویشوں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں اِن دونوں جماعتوں کے افراد، پابندی شریعت سے آزاد رہتے تھے بلکہ اس آزادی میں فخر محسوس کرتے تھے اور تحقیر شریعت کو اپنے لئے طغرائے امتیاز بناتے تھے۔

قلندروں کی جماعت نے سیاحت اور صحرا نوردی کو اپنا شعار بنالیا کیونکہ اس طرح سیر وتفریح کے مواقع بھی بآسانی میسر آسکتے تھے اور جدوجہد کے بغیر زندگی بسر ہوسکتی تھی یعنی شہر میں پہنچے وہاں پر اپنے تقدس (ترک دنیا) کا سکہ جما کر اعلیٰ درجے کی ضیافت کا انتظام کرلیا۔ رفتہ رفتہ اِن کے اخلاق بالکل تباہ ہو گئے، بخوف طوالت تفصیل سے اجتناب کرتا ہوں۔

رہے ملامتی فرقے کے لوگ تو اُنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضعف پہنچایا کیونکہ دین کی بنیاد منہدم کردی انہوں نے ہر اس فعل کا ارتکاب کیا، جس کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔ قرامطہ نے اِن کو یہ نکتہ عجیبہ جسے ابلیسی ذہانت کا شاہکار کہنا زیادہ مناسب ہوگا، سمجھایا کہ

تصوف کا مقصود ہے نفس امارہ کو مغلوب کرنا۔

۲۔ اس کے مغلوب کرنے کا ایک طریقہ اس کی تذلیل بھی ہے۔

۳۔ اس لئے ایسے کام کرو جن کی وجہ سے لوگ تمہیں برا کہیں۔

۴۔ جب لوگ تمہیں برا سمجھیں گے، گالیاں دیں گے۔ دین اسلام سے خارج کر دیں گے تمہارا سوشل بائیکاٹ کریں گے تو یقیناً نفس امارہ، نفس مطمعنہ میں تبدیل ہو جائے گا۔

چونکہ اتباع شریعت نفس پر گراں ہے اس لئے یہ ''ملامتی طریقہ'' بہت جلد مقبول ہو گیا اور آج بھی ہندو پاکستان کے مختلف شہروں میں آپ کو ایسے لوگ مل سکتے ہیں جو:۔

۱۔ اعلانیہ شریعت اور طریقت میں تفریق کرتے ہیں اور ''پیر'' ہونے کے باوجود نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے ہیں، نہ اتباع شریعت کرتے ہیں وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ اب ہم روحانیت کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں یہ رسوم ظاہری بے کار ہو جاتی ہیں اور اپنے زعم باطل کی تائید میں یہ آیت پیش کر دیتے ہیں۔

وَاعبد ربك حتى ياتيك اليقين٥

یعنی اپنے رب کی اس وقت تک عبادت کر جب تک تجھ میں یقین کی کیفیت پیدا نہ ہو اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے اندر یقین پیدا ہو چکا ہے۔ اس لئے اب ہمیں عبادت کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ افضل الرسل خیر البشر سرکار دو عالم آخر وقت تک نماز پڑھتے رہے۔

۲۔ جو درویش کے پردے میں منہیات کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اسی لئے تو شراب پیتے ہیں کہ لوگ ہمیں برا سمجھیں اور اس طرح ہمارا نفس مردہ ہو جائے جو مقصود اسلام ہے۔ یہ ''بے شرع'' اور خلاف شرع صوفی جو دراصل ملاحدہ اور زنادقہ کی جماعت کے دو افراد ہیں پانچویں صدی سے دنیائے اسلام میں اپنی فتنہ پردازی اور شرارت انگریزی میں مصروف ہیں۔ میں صرف ایک شخص کا ذکر کروں گا جس کا نام مادھو حسین ہے۔ یہ شخص اکبر کے عہد میں کام کرتا تھا ایک طرف اپنے اشعار میں خالص توحید اور عشق الٰہی کا درس دیتا تھا۔ دوسری طرف اپنے ایک کھتری بچہ مادھو کے عشق میں گرفتار تھا اور بلا تامل خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا۔ ملامتی فرقے کے درویش لاہور کے علاوہ دلی میں تھے۔ اسی لئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ۔

جو صوفی شریعت اور طریقت میں فرق کرے وہ صوفی نہیں ہے بلکہ فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھتا

میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی سے زیادہ شواہد پیش کر دیئے ہیں

کہ بلاشبہ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی پیدا ہوا جسے ہم ایرانی یا عجمی تصوف بھی کہہ سکتے ہیں اور اس تصوف کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیادی تعلیمات اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں جیسا کہ مہدی توحیدی پور نے نفحات الانس کے عنوان میں لکھا ہے:۔

''زیرا اصول طریقت تصوف در بسیارے موارد با قوانین دین مبین اسلام معارض است''۔

اور اس میں کیا شک ہے کہ ایرانی تصوف، اکثر موارد میں دین مبین اسلام کے قوانین کی ضد ہے، اسلام خدا پرستی سکھاتا ہے اور یہ غیر اسلامی یا ایرانی تصوف انسان پرستی کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

۲۔ اس غیر اسلامی تصوف کا بیج قرامطہ نے بویا اُنہوں نے اپنے مقاصدِ مشئومہ اور عقائد مذمومہ کی تبلیغ کیلئے تصوف کو آلہ کار بنایا اور صوفیوں کے لباس میں بے شمار مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔

بطور تائیدِ مزید، مقدمہ شرح گلشن راز نوشتہ آقائے کیوان سمیعی (شیعہ اثنا عشریٰ) سے چند اقتباسات کا اُردو ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

''صوفیوں میں حلول و اتحاد کے غیر اسلامی عقائد کی اشاعت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرق ضالہ کے پیروؤں نے اپنے مقاصد پلید کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو صوفیوں کے لباس میں ظاہر کیا۔ اِن لوگوں کی صورت تو صوفیانہ تھی مگر سیرت صوفیانہ نہیں تھی۔ ان لوگوں نے اپنے غلط عقائد صوفیوں میں شائع کر دیئے اور چونکہ عامۃ الناس اِن میں اور سچے صوفیوں میں فرق نہ کر سکے (اور کر بھی کیسے سکتے تھے) اس لئے فرق مذکورہ کے معتقدات کو صوفیوں کے معتقدات سے مخلوط اور منسوب کر دیا۔ چنانچہ شمس الدین محمد سخاوی اپنی تصنیف ''الضو اللامع'' میں دوبارہ فضل اللہ استر آبادی (جو باطنی بھی تھا اور مذہب اتحاد کا بھی معتقد تھا اور فرقہ حروفیہ کا بانی بھی تھا، لکھتا ہے،'' دے بلباس درویشاں در آمد خود را از اں طائفہ معرفی کرد''

درویشوں کے لباس میں ظاہر ہوا اور اپنے آپ کو اسی گروہ سے وابستہ کر کے ایک صوفی کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس کے باوجود تعطیل احکام شرعیہ و اباحت محرمات و ترک مفترضات کا حکم دیا۔
(الضوالّلامع فی اعیان القرن التاسع جلد ۶، صفحہ ۱۷۴)

پروفیسر ای جے ڈبلو گب اپنی تاریخ شعر ترکان عثمانی کے صفحہ ۳۳۸ پر لکھتا ہے۔

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دعاۃِ مذہب بدع و ضلال نے اشتباہ کاری اور اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے عوام کے حسن ظن کو مدِ نظر رکھ کر، باطل عقائد رکھنے والے صوفیہ سے استفادہ کیا ہے اور اپنے آپ کو انہی سے وابستہ ظاہر کیا ہے۔

چنانچہ نظام الملک طوسی کا قاتل جو دراصل فرقہ اسمٰعیلیہ سے تعلق رکھتا تھا، صوفیہ کے لباس میں ظاہر ہوا تھا (اس نے صوفی بن کر طوسی کا قرب حاصل کیا اور موقع پا کر اسے قتل کر دیا) اسی طرح باطنیہ فرقے کے دو آدمی، صوفی بن کر شاہ عباس صفوی کے پاس آئے تھے اور اسے مذہب امامیہ سے منحرف کرنے کی کوشش کی تھی۔

فرقہ اسمٰعیلیہ میں وہ طائفہ جو حشاشین کے نام سے بدنام ہے اس کے افراد بھی ہمیشہ صوفیوں ہی کے لباس میں ظاہر ہوتے تھے اور جب وہ صوفیہ کے عقائد بیان کرتے تھے تو اپنے عقائد بھی شامل کر دیتے تھے اور اس طرح عقیدۂ شخصی، عقیدۂ صوفیہ بن جاتا تھا۔ چنانچہ متاخرین ان کے ایسے اقوال کی تاویل کرتے تھے مثلاً شیخ عزیز نسفی اس بات کا قائل ہے کہ مرد عارف کی روح اس کی وفات کے بعد کاملین کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے۔ اگر چہ یہ عقیدہ بالکل عقیدہ تناسخ کا ہم معنی ہے مگر ایک صوفی سے منسوب ہے اس سے ملا ہادی سبزواری نے اپنی تصنیف اسرار الحکم جلد اول صفحہ ۲۴۸ میں شیخ مذکور کے اس قول کی تاویل کی ہے اور اس کے غیر اسلامی عقیدے کا نام ''تناسخ مجازی'' رکھ کر شیخ مذکور کی برات کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ صریحاً تناسخ ارواح کا عقیدہ ہے جو کفر ہے۔

(ماخوذ و مقتبس از مقدمہ گلشن راز نوشتہ کیوان سمیعی شیعی مطبوعہ چاپ خانہ حیدری از انتشارات کتابخانہ محمودی طہران ۱۳۳۷ھ شمسی صفحہ ۳۸، ۳۹)

یہ ایک شیعہ عالم کی عبارت ہے جس پر کسی تبصرے یا حاشیے کی ضرورت نہیں ہے اور میرے

...ما کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔

اس کے بعد میں علامہ ابن خلدون کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ وہ اپنی تاریخ کے شہرۂ آفاق مقدمے میں یوں رقمطراز ہیں:۔

صوفیائے متقدمین کے روابط ان غلاۃ اسمٰعیلی شیعوں سے استوار ہو گئے جو حلول اور الوہیت ائمہ کے قائل تھے۔ ابتدائی دور کے اسمٰعیلیہ ان عقائد سے آگاہ نہ تھے، بہر حال اسمٰعیلیہ اور صوفیہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے عقائد سے متاثر ہوئے اور ان کے نظریات و عقائد آپس میں مدغم ہو گئے چنانچہ صوفیہ کے یہاں بھی "قطب" کا نظریہ پیدا ہو گیا جس کا مطلب ہے سید العارفین یا تمام عرفا کا سرتاج۔ صوفیہ نے یہ فرض کر لیا (بلا دلیل) کہ کوئی صوفی معرفت کے ذریعے قطب کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک خدا اُس قطب کو وفات نہ دے۔ ہاں اس کی وفات کے بعد خدا اس کا مقام، اِس کے جانشین کو عطا کر دیتا ہے (یہ عقیدہ) اسمٰعیلیہ کے عقیدہ امامت سے مشابہ ہے کہ جب ایک امام مرتا ہے تو اس کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اسے الوہیت اور معصومیت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، اِسی لئے امام کی زندگی میں دوسرا شخص امامت کے مرتبے پر فائز نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ مشہور فلسفی ابن سینا نے (جو باطنی تھا) اپنی تصنیف "کتاب الاشارات" میں اس نظریے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لکھتا ہے۔

یہ صداقتِ عظمٰی احقانیت کبریٰ اِس قدر رفیع الشان ہے کہ ہر طالب کو حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ شخص اس مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے۔

(تفصیل کیلئے دیکھو "کتاب الاشارات والتنبیہات" النمط التاسع)

واضح ہو کہ اقطاب کے تسلسل کا نظریہ نہ شریعت سے ثابت ہو سکتا ہے نہ دلائل عقلیہ سے۔ یہ محض ایک استعارہ ہے اور غلاۃ شیعہ کے نظریہ امامت سے مطابقت رکھتا ہے۔ جس کی رو سے ایک امام کی وفات کے بعد اس کا فرزند امامت کو بھی ترکے یا ورثے میں حاصل کر لیتا ہے (جس طرح جائیداد منتقل ہوتی ہے امامت بھی منتقل ہو جاتی ہے) بلا شبہ صوفیوں نے یہ تصوف غلاۃ شیعہ سے حاصل کیا ہے۔

علاوہ ازیں جس طرح باطنیہ امام کے بعد نقباء کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح صوفی قطب کے بعد اولیاء کا وجود تسلیم کرتے ہیں جن کا مرتبہ قطب کے بعد ہے چنانچہ شیعہ کے ساتھ ان کے عقائد کی مماثلت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ جب انہوں نے خرقہ پوشی کیلئے مشائخ کا سلسلہ مرتب کیا تو اِسے حضرت علیؓ تک پہنچا دیا۔ یقیناً یہ بات انہوں نے شیعوں کے زیر اثر آ کر کی۔ کیونکہ جو صحابہؓ آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ قرب رکھتے تھے۔ اِن میں حضرت علیؓ کو کسی مخصوص عمل کی بناء پر یا لباس کی بناء پر کوئی درجہ اختصاص حاصل نہیں تھا۔

بلا شبہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ متقی اور زاہد تھے لیکن اِن میں سے کوئی بھی کسی خاص مذہبی عمل کی وجہ سے دوسروں سے متمیز نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر صحابہؓ کو حضور اکرم ﷺ کی معیت کا شرف حاصل تھا وہ سب کے سب مذہب، پرہیز گاری زہد و ورع اور مجاہدانہ زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اِس بات کا ثبوت اِن کی زندگی اور تاریخ دونوں سے مل سکتا ہے۔ بلا شبہ اس قسم کے قصوں سے شیعہ مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو بعض مخصوص صفات کی وجہ سے دیگر صحابہؓ کے مقابلے میں امتیازی شان حاصل ہے۔

(مقتبس از مقدمہ ابن خلدون باب ششم فصل شانزدہم انگریزی ترجمہ جلد سوم صفحہ ۹۲ تا ۹۳ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۸ء)

اپنے دعوے کی مزید تائید کیلئے میں تصوف کی کتابوں سے وہ غیر مستند اور غیر معتبر اور باطل روایات ذیل میں درج کرتا ہوں جو دشمنان اسلام نے اِن کتابوں میں اپنی طرف سے وضع کر کے داخل کر دی ہیں اور اِن تحریفات کی مثالیں بھی درج کروں گا جو انہوں نے کتب تصوف میں کی ہیں اِس کے بعد اِن غیر اسلامی عقائد کی نشاندہی کروں گا جو دین سے ناواقف مسلمان صوفیوں میں مقبول ہو گئے ہیں۔ (جاری ہے)

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مقدس ہندو لٹریچر میں

محمد فاروق امریکہ

ایک ہندو ریسرچ اسکالر نے اپنی حالیہ تصنیف میں زبردست چونکا دینے والا دعویٰ کیا ہے کہ ہندو کی کتابوں میں جس اوتار کی آمد کا تذکرہ ہے وہ دراصل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی ہے۔ کچھ ہی عرصہ قبل اس راز کو افشا کرنے والی یہ کتاب ہندوستان میں شائع کی گئی جو ملک کے طول و عرض میں زبردست بحث و تمحیث کا باعث بنی۔ شومئی قسمت سے اگر اس کتاب کا مصنف مسلمان ہوتا تو وہ پابندِ سلاسل کر دیا جاتا یا انتہا پسندوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکا ہوتا، اس کتاب کی تمام کاپیاں ضبط ہو چکی ہوتیں۔ اس کتاب کی مزید اشاعت پر پابندی لگ چکی ہوتی مظلوم و بے گناہ مسلمانوں کے خلاف فرقہ وارانہ بربریت کی شدید لہر جنم لے چکی ہوتی اور ان کا بے حد و حساب خون بہہ چکا ہوتا انتہائی خوشگوار حیرت کی بات یہ ہے کہ حقائق اور روشنی سے بھرپور اس کتاب کا مصنف ایک کھلے ذہن کا مالک اور مشہور پروفیسر ہندو ہے۔ جس کا اسم گرامی ویدا پرکاش اُپادیائے ہے۔ اور مبنی برحقائق تصنیف کا ٹائٹل کالکی اوتار ہے محقق ایک بنگالی نژاد ہندو برہمن ہے۔ جو ایک ریسرچ کا شیدائی اور الہ آباد یونیورسٹی کا جانا پہچانا پنڈت ہے۔ برس ہا برس کی تحقیق کے بعد اس نے یہ قابل فخر کتاب شائع کی اور مزید آٹھ پنڈتوں نے اس کے مندرجات کو بالکل صحیح قرار دے کر اس کے دلائل کے مستند ہونے پر تصدیق ثبت کی ہے۔

مصنف کا کہنا ہے کہ ہندو دھرم اور اس کی مقدس کتابوں کے تناظر میں اوتار نامی رہبر و رہنما کی تمام نشانیاں رسولِ عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں۔ چنانچہ دنیا بھر کے ہندوؤں کو مزید کسی اوتار کا انتظار کیے بغیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا حیل و حجت فوری طور پر اُوتار تسلیم کر لینا چاہیے۔ یہ حقائق امر واقع ہیں جن کو آٹھ پنڈتوں نے حقیقت قرار دے کر ان کی تائید و نصرت کی سعادت حاصل کی ہے۔ مصنف اور آٹھ دوسرے پنڈتوں کا کہنا ہے ہندوؤں نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ کالکی اوتار کے انتظار کے لامتناہی عذاب کی شدت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ درحقیقت یہ عظیم رہنما آ چکا ہے اور آج سے چودہ صدیاں قبل اپنا کام بخیر و خوبی انجام دے کر اس جہان فانی سے رخصت ہو چکا ہے۔ مصنف نے دلائل اور ہندو دھرم کی دیگر مقدس کتب کے حوالہ جات سے شواہد اخذ کر کے انکو درج ذیل انداز و مواخذ کے ساتھ پیش کیا ہے ا۔ پران (ایک ہندو مقدس سلسلہ کتب) میں کہا گیا ہے کہ کالکی اوتار تمام کائنات اور پوری انسانیت کی رہنمائی کے لیے خدا کا آخری نبی ہوگا۔ یہ نشانی حضرت محمدؐ کی ذات اقدس کے لیے مخصوص ہے۔ (۲) ہندو دھرم کی پیش گوئی ہے کہ کالکی اوتار ایک جزیرے میں رونما ہوگا جبکہ ہندو مذہب میں اس سے مراد جزیرۃ العرب ہے۔ (۳) ہندو دھرم کی مقدس کتابوں میں کالکی اوتار کے

والدین کے اسمائے گرامی علی الترتیب وشنو بھگت اور سمانی مذکور ہیں۔ اگر ہم انکے معنی کا جائزہ لیں تو ہم
ایک انتہائی دلچسپ نتیجے پر پہنچیں گے۔ وشنو بھگت، وشنو (اللہ)۔ بھگت (بندہ)، اللہ کا بندہ و عبداللہ
(حضرت محمدؐ کے والد گرامی کا اسم مبارک) سمانی، یعنی کہ سکون والی، امن والی آمنہ (حضرت محمدؐ کی والدہ
ماجدہ کا اسم مبارک) (۴)۔ ہندو دھرم کی کتابوں میں خاص طور سے ذکر ہے کالکی اوتار کی خوراک کھجور
اور زیتون پر مشتمل ہوگی اور وہ روئے زمین پر سچا (صادق) اور دیانت و امانت کا علمبردار (امین) جانا
جائے گا۔ کیا بلا شبہ اور بلا شرکت غیرے یہ اوصاف حمیدہ حضرت محمدؐ ہی کی ذات اقدس کے لیے مخصوص
نہیں۔ (۵)۔ ہندو دھرم کے ویدوں میں کہا گیا ہے کہ کالکی اوتار کی بعثت مبارک ایک انتہائی باعزت
اور باوقار قبیلہ میں ہوگی۔ یہ نشانی قبیلہ قریش پر مکمل طور پر صادق آتی ہے جس میں حضورؐ مبعوث ہوئے
۔ (۶) ہندو دھرم دعویدار ہے کہ اللہ تعالی کالکی اوتار کو اپنے پیغامبر خاص (فرشتہ) کے ذریعے ایک غار
میں خزینہ علم سے نوازیں گے۔ اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل امین کے ذریعے غار حرا
میں قرآن پاک کے علم سے نوازا۔ (۷) خدائے پاک کالکی اوتار کو انتہائی سرعت رفتار گھوڑا اعطا فرمائیں
گے جس پر سوار ہوکر وہ تمام کائنات اور ساتوں آسمانوں کی سیر کریں گے۔ اللہ پاک نے حضرت محمدؐ
کو براق کے ذریعے سعادت معراج سے نوازا۔ (۸)۔ خدائے تعالی کالکی اوتار پر غیبی مدد نازل فرمائے
گا۔ محمدؐ پر اللہ پاک کی غیبی امداد و نصرت ہمیشہ نازل ہوئی۔ غزوۂ احد اس کا بہت بڑا ثبوت ہے
۔ (۹) کالکی اوتار کے بارے میں بیان کی جانے والی ایک اور انتہائی واضح نشانی یہ ہے کہ اس کی **بعثت**
ماہ پیدائش کی ۱۲ (بارہ) تاریخ کو ہوگی۔ حضرت محمدؐ اسلامی کیلنڈر کے ماہ ربیع الاول کی (10) ہندو دھرم
کی مقدس کتابوں میں کالکی اوتار سے متعلق پیش کی گئی نشانیوں میں ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ بہترین
شہ سوار اور ایک بے مثال شمشیر زن ہوگا۔ مصنف ہندو دھرم کے پیروکاروں کی توجہ اس جانب مبذول
کراتا ہے کہ شہ سواری اور شمشیر زنی کا زمانہ **بیت** چکا ہے دور حاضر بندوق اور میزائل کا دور ہے
۔ چنانچہ مستقبل میں ایک ماہر شمشیر زن اور کہنہ مشق شہ سوار کی آمد کا انتظار ایک احمقانہ تصور ہے اور چونکہ
تم شہ سواری اور یکتائے شمشیر زنی حضرت محمدؐ ہی کا خاصہ تھیں۔ لہذا وہی اور صرف وہی کالکی اوتار مانے
جاسکتے ہیں۔ دراصل ہندو دھرم کی مقدس کتابوں میں جتنی نشانیاں اور خصوصیات کالکی اوتار کے بارے
میں بیان کی گئی ہیں وہ کماحقہ قرآن پاک میں حضرت محمدؐ سے منسوب کردی گئی ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ
یہ تمام آیات وصفات آنحضرت میں موجود تھیں۔ مصنف نے اپنی تصنیف میں اس امر پر بے شمار دلائل
پیش کیے ہیں کہ کالکی اوتار حضرت محمدؐ کی ذات اقدس کی صورت میں رونما ہو چکے ہیں۔ یہی حقیقت ہے
اور ہندو دھرم کے پیروکاروں کو اسے بلا تامل اور بلا تاخیر تسلیم کرلینا چاہیے اور جو لوگ کالکی اوتار کے انتظار
میں اب تک بے چین ہیں انہیں اپنے موقف پر نئے سرے سے اطمینان قلبی کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔

کفار سے رواداری

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ تعالیٰ دین کے معاملے میں انسانوں پر کسی بھی قسم کا دباؤ نہیں رکھتے اس لئے اپنے اپنے دور میں تمام انبیاء نے بڑی دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کے سامنے اللہ کی الوہیت کے دلائل پیش کئے اور انہیں آخرت کی زندگی کے بارے میں آگاہ کیا تا کہ وہ برضا و رغبت ایمان لا کر فلاح دارین حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو دعوت دین کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمه والموعظه الحسنه وجادلهم بالتی هی احسن ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین (النحل۔125)

ترجمہ! ''آپ ﷺ لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور پیاری پیاری نصیحت سے بلائیے اور ان کے ساتھ نہایت ہی اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ جو شخص اس کے راستہ سے بھٹک گیا آپ کا رب اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو ہدایت پانے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے''۔

قرآن کریم میں یہ ہدایات بھی دی گئی ہیں کہ آپ ﷺ کا کام پیغام حق پہنچا دینا ہے اور ہدایت دینا اللہ کا کام ہے وہ جسے راہ راست پر لانا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کی حقانیت کے لئے کھول دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ بھی مخالفین کے ساتھ خوش خلقی اور شیریں کلامی سے پیش آیا کریں۔ اہل اسلام کو ایمان کی دولت نصیب ہو جانے پر اللہ کا بہت شکر گذار ہونا چاہئے لیکن ان کے لئے یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ ایمان لانے والوں کو برا بھلا کہیں اور ان کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتے پھریں۔ جو کفار دین اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں اور مسلمانوں کی سرگرمیوں اور پیش رفت میں مزاحم ہوں ان کی قوت کو توڑنا تو ضروری ہے لیکن جب وہ لوگ سرنگوں ہو جائیں تو پھر عقائد کی بنیاد پر ان کو قتل کرنے یا ان پر کسی

قسم کا جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جنگ کے دوران بھی صرف اتنی ہی خونریزی کرنے کا حکم ہے جس سے باطل کی حمایت میں ہتھیار اُٹھانے والوں کی قوت ٹوٹ جائے۔ جنگی کاروائی کے دوران عورتوں، بچوں، بوڑھوں، زخمیوں، مریضوں اور راہبوں پر ہاتھ اُٹھانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ شیطان نسل انسانی کا ازلی دشمن ہے اور عداوت کی وجہ سے اِس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسانوں کے درمیان کسی نہ کسی طریقے سے جھگڑے پیدا کر کے انہیں لڑواتا اور خونریزی کرواتا رہے۔ اِس لئے تم اللہ کے دین کی تبلیغ نہایت مہذب اور احسن طریقے سے کرنا اور اختلاف عقائد کی بنیاد پر تفرقے اور جھگڑے نہ ڈالنا۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایات غور سے ملاحظہ فرمائیے:۔

وقل لعبادی یقولوا التی ھیی احسن ان الشیطن ینزغ بینھم ان الشیطن کان لانسان عدوا مبینا ○ ربکم اعلم بکم ان یشا یرحمکم او ان یشاء یعذبکم وما ارسلنک علیھم وکیلا ○ (بنی اسرائیل 53 تا 54)

ترجمہ! ''اور آپ ﷺ میرے سبھی بندوں کو کہہ دیجئے کہ ایسی باتیں کہا کریں جو بہت ہی پسندیدہ ہوں۔ کیونکہ شیطان بری باتوں سے اِن میں فساد ڈلواتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان بنی نوع انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تم سے خوب واقف ہے۔ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمائے یا اگر چاہے تو تمھیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو اِن پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا''۔

معلوم ہوا کہ ایسی بات زبان سے نکالنا جس سے کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے شیطان کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ کتنا پارسا یا گنہگار ہے۔ آخر کار ہر ایک کو اس کے پاس لوٹنا ہے اور وہ جیسا چاہے گا ہر ایک کے ساتھ سلوک کریگا۔ اس لئے اہل ایمان کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ غیر مسلموں سے غیر انسانی برتاؤ کریں یا اِن کے مذہبی عقائد کا تمسخر اڑا کر ان کا دل دکھائیں۔ جو لوگ جانوروں، پتھر کے بتوں یا دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں ان کے دلوں میں اپنے باطل معبودوں کے لئے ویسا ہی احترام ہوتا ہے جیسا کہ مومنین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے۔ انہیں اپنے آباؤ اجداد کا دین ہی سچا نظر آتا ہے اور

انہیں اپنے خود ساختہ عقائد اپنی جانوں سے بھی زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باطل پرست تو میں اللہ کے عذاب سے یا مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئیں۔ لیکن انہوں نے اپنے بے بنیاد عقائد سے دستبردار ہونا گوارانہ کیا۔ مشرکین اپنے بتوں کی ہتک یا ان کے خلاف ناپسندیدہ کلمات ہرگز برداشت نہیں کرتے۔ اِنکے نزدیک ان کے معبود نہایت ہی مقدس اور بزرگ ہستیوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اپنے اپنے دینی عقائد اور بزرگ ہستیوں سے محبت رکھنا ایک فطری بات ہے اِس لئے اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے جذبات اور احساسات کو مدنظر رکھنے کیلئے قرآن کریم میں جو تلقین فرمائی ہے وہ قابل غور اور مبلغین اسلام کے لئے مشعل راہ ہے۔

ولوشاء اللّٰہ ما اشرکوا وماجعلنك علیھم حفیظا وما انت علیھم بوکیل ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذالك زینا لکل امه عملھم ثم الی ربی مرجعھم فینبھم بما کانوا یعملون (الانعام۔ 107 تا 108)

ترجمہ!''اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو اِن پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ ہی آپ ان کے داروغہ ہیں۔ اے اہل ایمان! جن ہستیوں کو یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اِنکو برا بھلا نہ کہنا۔ کہیں یہ بھی اللہ کو بے سمجھے بے ادبی سے برا نہ کہہ بیٹھیں۔ اِسی طرح ہم نے ہر اُمت کے اعمال اِنکی نظروں میں خوشنما بنا دئے ہیں۔ آخر کار تو اِن کو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہی ہے تب وہ اِنکو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اِس حقیقت سے آگاہ فرمادیا کہ آپ کی انتہائی خیر خواہی اور مثالی جدوجہد کے باوجود بھی سب لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ کئی لوگوں کے دل اِن کی مسلسل بداعمالیوں اور شرارتوں کے سبب مردہ ہو چکے ہیں۔ آپ کی نصیحتوں اور قرآن کی آیات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اِن کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں۔ اِن کے دلوں کے امراض لاعلاج حد تک بڑھ چکے تھے اور اللہ نے اِن پر مہریں لگادی ہیں۔ اِس لئے اگر یہ لوگ عقیدہ توحید کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنے بتوں کی پرستش پر ہی اڑے رہنے پر بضد ہیں تو پھر اِن الفاظ کے ساتھ انہیں اِنکے حال پر چھوڑ دیجئے۔

قل اللہ اعبد مخلصالہ دینی٥فاعبدوا ماشئتم من دونہ٥
(الزمر14تا15)

ترجمہ!" آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے دین کو خالص کر کے صرف اللہ کی بندگی کرتا ہوں۔اے گروہ مشرکین تم اس کے سوا جس کی چاہو پرستش کرو"۔

تبلیغ دین اور اصلاح کا کام وسعت قلب، تحمل، بردباری اور انتہائی قوت برداشت کا متقاضی ہے۔اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کے دلوں میں جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیلئے بے پناہ احترام ومحبت، شفقت ورحمت اور انتہائی خیر خواہی کے جذبات موجزن نہ ہوں تبلیغ دین کا عظیم کام بارآور نہیں ہوتا۔یہاں رحمۃ اللعالمین ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ایک واقعہ بیان کر دینا دلوں کی تقویت کا باعث ہوگا۔ایک دن آپؐ اسلام کی دعوت دینے کیلئے طائف تشریف لے گئے۔وہاں کے حق ناشناس لوگوں نے آپ ﷺ کو اِس قدر مارا کہ سر مبارک پھٹ گیا اور اتنا خون بہا کہ جوتوں کی ایڑیوں میں جمع ہو گیا اور آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔کچھ دیر بعد آپ کو ہوش آیا تو جبرائیل علیہ السلام نے آ کر سلام کیا اور آپؐ کی تشفی فرمائی اور ایک دوسرے فرشتے کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔وہ فرشتہ بھی سلام بجالایا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ حکم فرمائیں تو آن واحد میں طائف کے پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور جتنی بستیاں بیچ میں ہیں سب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اِن میں دب کر فنا ہو جائیں۔صرف آپ کے حکم کی دیر ہے۔لیکن اِس مقدس ہستی، جس کے دل میں اللہ نے انسانوں کیلئے بے پناہ محبت ڈال کر اسے سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا نے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ میں اِن لوگوں کی تباہی ہر گز نہیں چاہتا۔بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ یہ سب مسلمان ہو جائیں اور اِن کی اولاد اور نسلوں میں وہ لوگ پیدا ہوں جو چار دانگ عالم میں تیرا پیغام پہنچا دیں اور دین اسلام کے نور سے زمین کے چپہ چپہ کو جگمگا دیں"۔یہ ہے حضور صاحب خلق عظیم ﷺ کی کمال قوت برداشت کا بے مثال نمونہ۔آپ ﷺ اپنے مخالفین کی ہر سختی، درشتی اور ایذا رسانی انتہائی حلم کے ساتھ سہتے رہے لیکن انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے انسانوں کے ساتھ اپنی محبت اور ہمدردی میں کبھی کمی نہ آنے دی اور آخر دم تک انہیں اللہ کی

عبادت، مغفرت اور جنت کی طرف دعوت دیتے رہے۔ صرف اتنا ہی نہ تھا کہ حضورﷺ نے گالی کے بدلے گالی نہ دی یا پتھر کے بدلے کبھی پتھر نہ مارا بلکہ کمال یہ ہے کہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے خلاف کبھی دل میں بھی کوئی برا خیال نہ آنے دیا۔ مخلوق کے ساتھ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ جو انسان سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہوگا اِسے مخلوق خدا کے ساتھ محبت بھی سب سے زیادہ ہوگی۔ یہ مرتبہ حضور رحمۃ اللعالمینﷺ کو حاصل ہے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے نقش قدم پر چلنے والے صالحین بھی اللہ کے قرب کی نسبت سے اللہ کی مخلوق کی محبت اور خدمت کی روش پر ہی چلتے رہے ہیں۔ کیونکہ دل محبّت ہی سے فتح کیئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج زمین کا کونہ کونہ مسلمانوں سے بھرا پڑا ہے۔ بنیادی طور پر ہر مسلمان دین اسلام کا مبلغ ہے اور اِس کا فرض ہے کہ خود اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچائے اور دوسرے انسانوں کو بھی دعوت دین دیکر اس سے بچانے کی حتی المقدور سعی کرتا رہے۔ اِس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے اپنے آقا و سردار نبی مکرم خلق مجسمﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رحم و کرم، عفوو درگذر اور محبت و مودت جیسی عادات اپنے اندر پیدا کرے۔ دردِ دِل اور عالمگیر محبت کا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں سے نہیں ملتا۔ البتہ اہل محبت یعنی اللہ والے فقیروں کے سینوں سے مل جاتا ہے۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اِس کے نتائج ہماری مرضی کے مطابق نکلیں۔ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ تمام انسانوں کے دل اللہ کی مٹھی میں ہیں وہ جس کسی کو اور جب چاہے ہدایت نصیب فرما سکتا ہے۔ ہر خبر کیلئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اگر کسی پر اِس کے برے اعمال کی وجہ سے بدبختی غالب آ چکی ہو تو اِسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی نفرت کا برتاؤ نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اِن پر رحم آنا چاہیئے کہ ایک دن یہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔ اِن ہدایات کی روشنی میں کفار و مشرکین کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ کرنا چاہئے اور احترام انسانیت کے جذبہ کے تحت مل جل کر رہنا چاہیئے۔ اور انسانوں کی بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اِس انداز فکر اور طرز عمل کے بغیر عالمی امن اور وحدت آدمیت کا حسین خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ حضور رحمۃ اللعالمینﷺ کے سچے وارث اور علمائے حق جنہیں ہم اولیاء اللہ کے پیارے نام سے یاد کرتے ہیں یہی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ

گناہوں سے تو نفرت کرتے ہیں لیکن گنہگاروں سے دلی محبت کرتے اور ان کی اصلاح کے لئے دلسوزی کے ساتھ کوشاں رہتے ہیں۔ وہ دین کی دعوت قرآنی احکام کے مطابق دلائل وحکمت سے وبرہان اور محبت ورافت کے ساتھ دیتے ہیں اور کبھی بھی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی دل آزاری کے مرتکب نہیں ہوتے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے، کہ ان کے ایک ہنرمند معتقد نے آپ کی خدمت میں ایک خوبصورت قینچی نذر کرنی چاہی تو حضرت شیخ نے بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی کہ "درویش اور فقیر کے پاس اس قینچی کا کیا کام؟ یہ خود بھی حصوں میں بٹی ہوئی ہے اور دوسری چیزوں کو بھی قطع کرتی اور ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ فقیر کو تو وہ سوئی پسند ہے جو صرف الف کی طرح سیدھی اور وحدت کی علامت ہے۔ جو کٹے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر انہیں آپس میں ملا دیتی ہے۔ دوسروں کی عریانی اور برہنگی کو ڈھانپنے کے لئے کام کرتی ہے اور خود ننگی رہتی ہے۔ ہم فقیروں کا کام تو انسانی رشتوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا ہے"۔

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "اپنے اندر اللہ جیسی عادات واخلاق پیدا کرو"۔ اللہ کا قرب اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی ساری مخلوق سے پیار کرتا ہے اور کافر ومومن اور رند وزاہد دونوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اسی طرح مومن کو بھی عالمگیر محبت کا اصول اپنا کر اپنے دل ودماغ اور روح کو محبت کے رنگ میں رنگ لینا چاہئے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنی تصنیف "طریقت توحیدیہ" میں محبت کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا۔

"اگر تم ولی اللہ بننا چاہتے ہو اور اگر تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ محبت کرے تو ضروری ہے کہ تم اس کی مخلوق سے محبت کرو۔ مجنوں تو لیلیٰ کے کتے سے بھی محبت کرتا تھا تم کیسے محب ہو کہ اپنے محبوب کی مخلوق سے بھی محبت نہیں کرتے"۔

علامہ اقبالؒ بھی قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے یہی نصیحت کرتے ہیں کہ کافر اور مومن دونوں خدا کی مخلوق ہیں اس لئے کسی کے خلاف بھی برا کلمہ زبان پر نہیں لانا چاہئے۔ انسانوں کا احترام کرنا ہی کمال آدمیت ہے اور بندہ مومن اللہ کی طرح کافر ومومن دونوں پر شفقت کرتا

ہے۔آپ فرماتے ہیں:۔

حرف بدرا برلب آوردن خطاست
کافر و مومن ہمہ خلق خداست
آدمیت؟ احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی
بندہ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو ناپسند کریں گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

ارشاد ہوا ہے۔**ولوشاء ربك لامن من فی الارض کلهم جمعیا افانت تکفرہ الناس حتی یکونوا مومنین** (یونس۔99)

ترجمہ!''اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایکدم ایمان لے آتے۔تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے یا انہیں برا سمجھیں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہوجائیں''۔

استحکام پاکستان اور روحانی جمہوریت

(کے ایم اعظم)

پاکستان کو معرض وجود میں آئے نصف صدی بیت چکی ہے۔ اس طویل عرصے سے اسلام کے آفاقی نصب العین کی طرف پیش رفت تو درکنار، ہم نفاذ اسلام کا مرحلہ بھی نہ طے کر پائے۔ چنانچہ ہم دنیا کو یہ بتانے کے بھی قابل نہیں کہ اسلام، اقتصادی اور معاشرتی مسائل، جو آج کے انسان کو درپیش ہیں اس طرح حل کرتا ہے۔ آج تو حالات اس ڈگر کو پہنچ گئے ہیں کہ ملک میں دہشت گردی اور قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ مسجدیں تک محفوظ نہیں۔ اگر وحدت خیز قوت کی حیثیت سے اسلام پاکستان میں ہی بے اثر رہ گیا تو دنیا میں انسانی اخوت کی ایک عالمگیر تحریک برپا کرنے میں کیا کردار کر سکے گا۔ عمومی طور پر قومیت اور مادیت سے مغلوب مسلمان اسلام کی آفاقیت کو صحیح تناظر میں دیکھنے سے قاصر ہیں اور انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صحیح مسلمان بس ایک روایتی مسلمان ہوتا ہے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اس پس منظر میں انسان دوستی، احترام آدمیت اور ظلم کے خلاف جہاد کے اسلامی نظریات کا علم اب ان قوموں نے اٹھالیا ہے، جن کی وطنی قومیت اور دہریانہ مادہ پرستی نے دنیا میں ہر سو ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ مغرب اب میڈیا کے ذریعے ہماری نئی نسل کو یہ باور کروا رہا ہے کہ مسلمان ہمیشہ برے ہی تھے، حالانکہ جس تکثیر (Pluralism) اور مدنی معاشرہ (Civil Society) کی مغرب موجودہ دور میں باتیں کر رہا ہے، وہ ہندوستان کے مسلم دور میں آٹھ سو سال تک قائم رہیں۔

ہماری قوم پریشان خیالی، ژولیدہ فکری اور مسخ شدہ عقائد کا شکار ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ضرورت تو اس بات کی ہے کہ قوم کو صحیح فکر کی راہ پر گامزن کیا جائے۔ مگر ایسا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ صدیوں پر محیط ملوکیت اور سامراجی تسلط نے مسلمانوں کو ذہنی غلامی اور فکری جمود میں اسیر کر رکھا ہے اور وہ اس کی زنجیروں سے ابھی تک پوری طور پر آزاد نہیں ہو پائے۔ صدیوں کی سیاسی غلامی نے ہماری قومی خود اعتمادی، اخلاقی قوت اور اجتماعی مورال کو پامال کر دیا ہے۔ ہم میں روحانی بصیرت باقی رہی نہ ہی حریت فکر، چنانچہ پوری کی پوری قوم یا تو اسلام کی نقالی میں مگن ہے یا پھر مغربی افکار کو اپنا کے، مغرب کی متعین کردہ راہوں پر گامزن ہے۔ ہمارے لئے سوچنے کا مقام یہ ہے کہ کس طرح قوم کو اس کی خواب گراں سے جھنجوڑ کر اسلامی تعمیر نو کی راہ پر گامزن کر

اس ضمن میں جو پہلی بات ابھر کے سامنے آتی ہے وہ ہے ہماری قوم کا ناقص فہم دین اور اس دین۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد ''مسلم مفسرین نے جب یہ دیکھا کہ وہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو انہوں نے کوشش کی، قرآن کو اس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اتار لیں کہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے'' دراصل اگر صرف عقل ہو اور سینے میں دل آگاہ نہ ہو، تو منزل نہیں ملتی۔ اگر عقل بھی نہ ہو تو کتابی علم وبال جان بن جاتا ہے۔

پاکستانی معاشرہ ایک طرف رجعت پسند، مقلد اور متشدد اور دوسری طرف آزاد خیال، مغرب زدہ اور فرنگی گزیدہ گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ کوئی بھی گروہ ایسا نہیں جو کسی مثبت طریقے سے اسلام کی ایک وسیع النظر، روشن خیال اور متحرک تعبیر کر رہا ہو۔ پاکستان کی اسلامی تعمیر نو اسلام کی ایک وسیع النظر، روشن خیال، اور متحرک تعبیر کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے لئے مسلمانوں کے مسخ شدہ عقائد اور ناقص فہم دین کی اصلاح ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کام پاکستان کو ''جھوٹ'' کی وباء سے نجات دلانا ہے۔ دراصل سچائی ہی روحانی جمہوریت کی بنیادی اساس ہے اور اسی سے عقل و دانش کی بالا دستی، اظہار رائے کی آزاد اور صحت مند اخلاقی اور جمہوری روایت قائم ہوتی ہیں۔

فہم دین کا ایک ناقص تصور، جو ہمارے لئے نہایت مہلک ثابت ہوا ''نظریاتی دینداری'' کا ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ہمارے آباؤاجداد اور دینی و سیاسی رہنماؤں پر مغربی ترقی و تسلط کا رُعب اِس قدر تھا کہ وہ اپنی سیاسی نجات کیلئے بھی مغربی طریق کار کو اپنائے ہوئے تھے۔ وہ مغربی انداز فکر بالخصوص Destutt de Tracy کے نظریہ آئیڈیالوجی (Ideology) سے بہت متاثر تھے۔ جس کے تحت افراد کی تھوڑی سی تعداد نے مختصر سے عرصے میں پورے ملکوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ یہ مغربی ترقی و تسلط کا اثر تھا کہ ہمارے سیاسی، علمی اور دینی زعما نے مغربی نظام فکر کو تقریباً کلی طور پر اپنا لیا، یہاں تک کہ تاویل کے ذریعے قرآن کے ابدی پیغام کو بھی مغربی فکر کے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ مختلف زعماء کے طریق کار میں فرق بھی مغرب کی نسبت ہی سے تھا۔ جو انگریزوں سے متاثر تھے وہ جمہوریت کے علمبردار بن گئے، جو جرمنی سے مرعوب تھے، اُنہوں نے فاشزم کا انداز اپنا لیا اور جو روس کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے تھے وہ اشتراکیت کے پیروکار ہو گئے۔

مغرب کے سامراجی غلبہ کے تحت ہم نے زندگی کے ہر شعبہ میں مغربی انداز فکر کو اپنا لیا، جس
کے تحت روحانی ترقی کو پس پشت ڈال کر ہم نے مادی ترقی کو ہی مطمع نظر بنا لیا۔ اِس نظریاتی تغیر
(Ideological Shift) نے ہماری قومی زندگی پر بہت دوررس نتائج مرتب کئے۔ مغ
کہ یہ غلبہ طاقت سے حاصل کیا جاتا ہے نہ کہ اخلاق سے۔ نتیجتاً ہماری قوم کی توجہ انسان سازی
کے اسلامی طریق کار سے ہٹ کر مغربی نظریات، ابلاغیات (Mass Media)، عوامی
تحریکوں (Movements Mass) پر مرکوز ہوگئی اور ہمارا مطمع نظر ووٹوں کا حصول جا
ٹھہرا۔ شمع سے شمع جلانے کا قدیم فن ختم ہوگیا اور ہمارے دینی زعماء اِس سوئچ کی تلاش میں
سرگرداں ہو گئے، جس کے دبانے سے ساری کی ساری بتیاں یکلخت جل اُٹھیں۔ اِس دنیاوی
کشمکش میں وہ اپنے اندر کی بتی بھی جلانا بھول گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے دینی زعماء کو باہر کی دنیا تو
نہ ملی مگر اِن کے اندر کی دنیا بھی برباد ہوکر رہ گئی۔

اِنسانی وحدت کا مغربی تصور مشترکہ زبان، نسل اور علاقہ پر مبنی ہے جب کہ انسانی وحدت کا
اِسلامی تصور ایک مشترکہ مطمع نظر ہے۔ علامہ اقبال کے بقول مسلمان قومیت کی بنیاد عقیدہ توحید
اور عقیدہ رسالت پر ہے۔ وہ تادم آخر دور حاضر کے تین فتنوں، وطنی قومیت (Territorial
Nationalism) دین و ریاست کی دوئی (Secularism) اور دہریانہ مادہ پرستی
(Atheistic Materialism) کے خلاف برسر پیکار رہے، یہ تینوں فتنے ایک دوسرے
سے مربوط ہیں۔ لادینیت ہی مادیت کی اساس ہے اور مادیت کا وطنی قومیت کے ساتھ چولی
دامن کا ساتھ ہے۔ مادیت ہی سے غلبہ بالقوہ کا تصور اُبھرتا ہے جو تشدد کو جنم دیتا ہے۔ یہ مادی
انداز فکر ہی تھی جس کے باعث اللہ کی مخلوق پر پچھلی صدی میں دو خوفناک عالمی جنگیں مسلط کی
گئیں۔ جب مادیت زیادہ قوت پکڑتی ہے تو وطن پرستی سے نسل پرستی اور قبیلہ پرستی کی طرف
سفر کرتی ہے اور پھر اللہ کی زمین پر ہر طرف فساد برپا ہو جاتا ہے اور وہ عبادت گاہیں جن میں صبح و
شام اللہ کا نام لیا جاتا ہے، تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ (۲۔۱۱۴)۔

یہ مادہ پرستی کا ہی اثر تھا، جس کے تحت انسان نے اللہ تعالیٰ کے روحانی پیغاموں کو بھی قومی
اور نسلی بنا کے رکھ دیا تاکہ ان کی اپنی اپنی اجارہ داریاں قائم رہیں۔ خوف خدا کے رُخصت ہو
جانے سے طمع و لالچ اِس قدر بڑھ گئے کہ انسانوں نے انسان کا رزق چھین لیا۔ مادہ پرستانہ انداز

فکر کا غلبہ اس قدر فروغ پذیر ہوا کہ ہر طرف اللہ کی بے بس مخلوق پر جبر و تشدد اور ظلم و ستم کی انتہا کر دی گئی۔ اس اخلاقی انحطاط اور معاشی نفسا نفسی کے عالم میں اسلام کا آفاقی پیغام دب کر رہ گیا۔ انسان کا اللہ کے ساتھ تعلق منقطع ہونے کے باعث انسان کے اندر دلسوزی، دردمندی، غمگساری اور انسان دوستی کے جذبات ٹھنڈے سے پڑ گئے اور اخلاقی اقدار کی دلوں میں کوئی وقعت باقی نہ رہی۔

بے شک انسان کی تخلیق میں بدن و روح دونوں شامل ہیں، مگر اس کی اساس روحانی ہے۔ بدن کا تعلق مادہ و زمین اور اِس دنیا سے ہے جبکہ روح کا تعلق دوسری دنیا اور ذات الٰہی سے ہے۔ یہی ابلیس کی غلطی تھی کہ اِس نے انسان کو مٹی کا پتلا سمجھ کر سجدے سے انکار کر دیا اور اِسکی خاک میں پوشیدہ اللہ کی تجلیات کو نہ دیکھا۔ ابلیس کی اِس قدیم غلطی کو انسان بھی دہراتا رہا ہے کہ وہ انسان میں صرف خاک کو دیکھتا ہے اور اِس پر ظلم کرتا ہے اگر وہ اِس میں اللہ کی روح دیکھے تو اِس کا احترام کرے۔ جب ہم حقیقتاً انسان کی روحانی اساس کے معترف ہو جائیں گے تو اِس ارض خاک پر روحانی جمہوریت قائم ہو جائے گی۔

اِنسان کی روحانی اساس کو ماننے کا واحد ذریعہ ایمان بالتوحید ہے، جو کہ ہر قسم کے شرک کی کلی نفی کرتا ہے۔ جس معاشرے میں شرک ہوگا، وہاں طاغوت ہوں گے اور جہاں طاغوت ہوں گے، وہاں جمہوریت کا قیام ناممکن ہوگا۔ اس ارض خاکی پر طاغوت یعنی برائی کی قوتیں، جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے، بالعموم چار صورتوں یعنی فرعونی، ہامانی، قارونی اور آذری قوتوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔

اگر ہم مسلمان اپنے اوطان میں روحانی جمہوریت کے قیام کے خواہش مند ہیں تو ہمیں وہاں سے ہر قسم کی طاغوت کا خاتمہ کرنا ہوگا، جو کہ موجودہ حالات میں ناممکنات میں سے نظر آتا ہے۔ روحانی جمہوریت کی بات کرنا تو نہایت آسان ہے مگر کیا ہم انسان دوستی، احترام آدمیت، صلح کل، رواداری اور عالمگیر اخوت اِنسانی کے اہداف اپنانے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہیں، جبکہ بنیادی طور پر ہم ایک تحکمانہ، درجہ بند اور شخصیات پرست معاشرے کے افراد ہیں اور نہ صرف ہمارے اکابرین اور امراہی ظالم ہیں بلکہ ہمارے غریب بھی ظالم ہیں۔ ہمارے لئے مرکزی سوال یہ ہے کہ ہم قومیت اور مادیت سے مغلوب مسلمانوں کو انسانی اخوت کی ایک عالمگیر تحریک

برپا کرنے کے لئے کیسے اُبھاریں گے؟ اس معاشی نفسانفسی اور حب مال وزر کے دور میں، جب
میں زیادہ سے زیادہ پیداواری وسائل پر قبضہ ہی اقوام عالم کا مطمح نظر ہے، ہم ملت آدم کے تصور کی
ترویج کیسے کریں گے؟ لفظ ''اگر'' سے تاریخ نہیں بدلتی۔

علامہ اقبال کا آفاقی تصور اسلام تقلید پسند مذہبی حلقوں کے سرمایہ دارانہ، روایتی تصور اسلام
سے بالکل متضاد ہے۔ دراصل اب تک انسان کے نظریہ حیات کا دارومدار استحصال، مفاد پرستی
اور ارتکاز دولت پر رہا ہے، جس میں عالمگیر اخوت انسانی کے لئے گنجائش بہت ہی محدود رہی
ہے۔ روحانی جمہوریت کی طرف پہلا قدم ہمیں سوشلسٹ نظام معشیت (معاشی اخوت) کی شکل
میں اُٹھانا ہوگا، جیسا کہ بانی پاکستان کا خیال تھا، تاکہ انسان میں طمع و لالچ اور حب مال کے گھٹیا
جذبات کی جگہ اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی کے اعلیٰ و ارفع احساسات کو اُجاگر کیا جا
سکے۔

تمام افراد معاشرتی اور ثقافتی ماحول میں زندہ رہتے ہیں۔ لوگ اِن دونوں عوامل کی صورت
پذیر بھی بناتے ہیں اور اِن کے پابند بھی ہوتے ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ جب کسی
معاشرے کے عام حالات اچھے ہوں گے تو اکثر و بیشتر لوگ اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے
ہوئے اچھے کام کریں گے لیکن اگر عام ماحول زوال پذیر ہو جاتا ہے تو لوگوں کی اکثریت غلط اور
برے کام کرنا شروع کر دیتی ہے، کیونکہ اکثر لوگ نفسانفسی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اِس لئے
اسلام، رضائے الٰہی اور مقصود ربانی کے حصول کیلئے اسلامی معاشرے کے قیام کو ناگزیر سمجھتا ہے۔
مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کرے جب کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری
ہے کہ وہ تمام شہریوں کے لئے اطاعت الٰہی کو سہل بنا دے۔ اگر ریاستی اقتدار اور اختیار ایسے
لوگوں کے ہاتھوں میں آ جائے، جو الطاغوت یعنی برائی کی حامل قوتیں ہیں اور ریاستی مشینری
کرپشن میں ملوث ہو جائے تو ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت مشکل اور دشوار ہو جاتی
ہے بلکہ ایسے حالات اور ماحول میں اسلامی عدل و احسان کی بات کرنا محض ایک کھوکھلا نعرہ بازی
ہوگی۔ ہمارے دینی اکابرین نے دین اور سیاست کے نازک رشتہ کو پیش نظر نہیں رکھا، جس کا نتیجہ
یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ سیاست دین پر غالب آتی گئی اور اس دنیا کو ''مومنوں'' اور ''کافروں'' کا میدان
کارزار بنا دیا گیا۔ ہر چیکہ علامہ اقبال کی نظر میں سیاست دین کا ہی حصہ ہے مگر اسلام کی توجہ کا

مرکز انسان ہے، نہ کہ ریاست۔

روحانی جمہوریت کا مقصد دنیا میں ظلم، خوف، حزن اور تصادم سے پاک معاشرہ کا قیام ہے، جس کے اہداف انسان کا زمین سے رشتہ توڑ کر اور اللہ سے رشتہ جوڑ کر، اس کے اندر دلسوزی، دردمندی، غمگساری اور انسان دوستی کے جذبات کو فروغ دینا اور توحید اور الخلق عیال اللہ کی اساس پر ایک انسان دوست معاشرہ کی تعمیر نو ہیں۔ درحقیقت وحدت نوع انسانی اللہ کی وحدت کے ساتھ مربوط ہے۔ انسان کو خلیفۃ الارض بنانے کا نظام ہی روحانی جمہوریت ہے۔ روحانی جمہوریت کا دارومدار مخافۃ اللہ پر ہے، جبکہ سیکولر جمہوریت عوام کی حاکمیت پر یقین رکھی ہے، جو بحقیقت سرمایہ کی حاکمیت ہے۔ مغربی جمہوریت، جمہوریت کی قبا میں استعمار ہے۔ اس کے ذریعے مغرب تیسری دنیا کے پس ماندہ ممالک میں سیاسی جوڑ توڑ کرتا رہتا ہے۔

روحانی جمہوریت کا مطمح نظر عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب برپا کر کے، اس کو زمان، مکان، وطن، قوم، نسل، نسب، ملک وغیرہ کی آلودگیوں سے منزہ کرنا ہے۔ دراصل انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے۔ جب تک اس دنیا کے انسان اپنی توجہ احترام آدمیت کے درس پر مرکوز نہ کریں گے، یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہی گی۔ روحانی جمہوریت میں عہد جدید کے تین فتنوں، وطنی قومیت، دین و ریاست کی دوئی اور دہریانہ مادہ پرستی کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ دنیا کی مادی تعبیر میں انسان حدود اللہ کو پہنچان نہیں پاتا جبکہ اس کی روحانی تعبیر میں وہ اِن سے باہر نہیں نکل سکتا۔ روحانی جمہوریت کا دوسرا نام خدا سرشاری اور انسان دوستی ہے، جو کہ اسلام کا لب لباب ہے (۲۔۱۷۷)۔ بے شک ایک مثبت اور دیرپا نیا عالمی نظام (New World Order) روحانی جمہوریت کی بناء پر ہی تشکیل پا سکتا ہے، جس میں مسلمانوں کے ساتھ دوسری اقوام شریک ہو کر دنیا میں ایک ملت آدم کے قیام میں ممد و معاون بن جائیں۔ اس کے برعکس مغرب نے آفاقیت کو بھی "ہمہ عالمگیریت" (Globalization) کے پیرہن میں ایک استعماری شکل دے دی ہے، جس کا مقصد تیسری دنیا کی منڈیوں پر اپنا تسلط جمانا ہے۔

انسان دوستی کا مسلک علامہ اقبال کے تصور دین کا مرکزی نقطہ ہے اور سب سے زیادہ نمایاں پہلو ہے جو عمر بھر ان کے ذہن پر چھایا رہا۔ بہر حال علامہ اقبال جب اسلام کی آفاقی وسعتوں

میں پرواز کرتے ہیں تو اسلام کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرتے بلکہ دینی حدود کی پاسداری
اور پاسبانی میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ علامہ اقبال کو اس بات کا بھی پورا احساس تھا کہ جس قوم
کو عالمگیر امن و اخوت کے لئے دنیا کی امامت کا فریضہ انجام دینا ہو، اسے رواداری، وسیع الظرفی
اور وسعت فکری کی اقدار کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی مذہبی سرحدوں کی حفاظت اور
اندرونی استحکام سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے ویسے بھی ایک کمزور آدمی کی رواداری بے معنی ہوتی
ہے۔ قومی وطنیت اور سیکولر جمہوریت میں اسلام ایک کمزور عنصر کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے
ایسے ملک میں اسلام کے بطور ایک عالمی تحریک اُبھرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ اگر پاکستانی
قوم اسلام کے عالمگیر مطمح نظر کو اپنا لے اور آپ کو اپنے عالمی کردار کا شعور ہو جائے تو وہ اس مردنی
اور مایوسی سے جو اس کی پچاس سال کی غفلتوں کی وجہ سے اس پر طاری ہے سے نکل کر ایک روشن
اور پرعزم دور میں داخل ہو سکتی ہے۔

اسلام رنگ و نسل، زبان اور وطنیت کی نفی کر کے توحید کی بناء پر ایک روحانی الذہن قومی
تشکیل کا خواہاں ہے۔ دراصل توحید ہی اس قوت کا منبع ہے، جس سے اندر کا انسان کارگرو کارساز
بنتا ہے۔ یہی ہے دائمی حکمت، دین فطرت اور دین حنیفا جس کے ازلی پیغام کو اسلام نے ازسرنو
تازہ و تابندہ کیا ہے۔ اسلام کا سیاسی نصب العین یہ ہے کہ دنیا کو توحید کی بناء پر وحدت آدم کا تصور
دے کر ایک عالمگیر انسانی برادری قائم کی جائے تا کہ قوموں کے درمیان جنگ و جدل کے
لامتناہی سلسلے کو ختم کر کے اِس دنیا کو امن و سکون کا گہوارہ بنایا جا سکے۔ اسلامی کے تہذیبی لاشعور
میں رواداری، وسعت قلبی، عالی حوصلگی جیسی اقدار کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ مگر ہمارے روایتی
علماء نے اسلام کے عالمگیر پیغام کو **یا ایھا الناس** کی سطح پر آنے سے روک کر **یا ایھا
المومنون** تک محدود کر دیا ہے۔ کیونکہ اِن کے تصورات دین کے مطابق یہ دنیا دارالحرب
اور دارالاسلام میں بٹی ہوئی ہے۔ دینی جماعتیں جب سیاسی جماعتیں بن جاتی ہیں تو اپنی انفرادی
اجارہ داری اور اپنے اپنے مفادات کو عزیز رکھتی ہیں۔ ہمیں اِن مفادات سے بالاتر ہو کر فکری
وحدت کی طرف گامزن ہونا پڑے گا۔ بہر حال اسلام میں رواداری رویہ ہے، اصول نہیں۔ اصول
الدین وجود باری تعالیٰ، رسالت اور حیات بعد الموت ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کفر
دونوں کی اجازت دے رکھی ہے، اس لئے کافر اور مشرک تو انسانی معاشروں میں ہمہ وقت موجود

ہیں گے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ ملت کے اندر ان کا وجود برداشت کرنا ہے۔ اللہ کا منشا یہ ہے کہ اِن کو غلبہ بالقوہ سے ختم نہ کیا جائے، بلکہ ان کے دل موہ کر توحید پر قائم کر دیا جائے۔ روحانی جمہوریت میں اسلام اخلاقی غلبہ کا ہی خواہاں ہوسکتا ہے نہ کہ مادی غلبہ

روحانی جمہوریت کا مطمح نظر ایک ایسے توحیدی معاشرہ کا قیام ہے، جس میں ہر شہری وہ مقام حاصل کر لے جس کا وہ خواہاں ہو۔ اسلام کا مقصد ایک ایسے نظام کی تشکیل ہے، جس کے تحت انسان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی حاجت نہ ہو اور وہ جب حصول رزق کیلئے اپنے گھر سے نکلے تو اِس کی اپنی اہلیت وقابلیت کے سوا کوئی اور رکاوٹ اِس کے راستے میں حائل نہ ہو۔ اگر اِس میں کوئی کمی من جانب اللہ ہو تو ریاست کا نظام احسان وہ کمی پوری کر دے۔ معاشرتی ومعاشی نظام ایسا ہو کہ اسے تعلق باللہ کی نشو ونما کے لئے بھی فراغت مل جائے، جس کی رو سے اِس میں فقط اپنے حقوق کی بجائے، اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق کا شعور اُجاگر ہو جائے۔ روحانی جمہوریت کا ہدف اعلیٰ یہ ہے کہ خالق کائنات کی طرح انسانوں کی ضروریات زندگی ان کو مفت مہیا کر دی جائیں۔ روحانی جمہوریت انسانوں کو ہر قسم کے استحصالی بوجھ اور مذہبی رسم ورواج سے بھی نجات دلانا چاہتی ہے، جس نے انسان کے فکر وعمل کو قیدی بنایا ہوا ہو۔ روحانی جمہوریت میں انسانی شخصیت کی امکانی توانائی کے حصول یا اِنسانی خودی کی نشو ونما پر خصوصی توجہ دی جائے گی، کیونکہ تہذیب وتمدن کی بقاء کا دارومدار تنظیم پر نہیں بلکہ انسانی اقدار و کردار پر ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک تصوف کی اہمیت بھی انسانی شخصیت کی نشو ونما کے پیش نظر تھی۔ روحانی جمہوریت انسانوں کو ہر قسم کے استحصالی بوجھ، مذہبی پیشوائیت واجارہ داری اور مذہبی رسم ورواج سے بھی نجات دلانا چاہتی ہے، جس نے انسان کے فکر وعمل کو قیدی بنایا ہوا ہو۔ روحانی جمہوریت کا مطمح نظر انسانوں کو رجعت پسندی اور ماضی پرستی، جو اسلام کی روحانی قوت و حرکت کے متضاد ہیں، سے آزاد کرانا ہے۔
انسان میں تقویٰ اور معرفت الٰہی پیدا کر کے اسلام دنیا وآخرت کے مفادات میں توازن پیدا کرتا ہے اور ریاست اخلاقی بنیادوں پر معاشرتی اور اقتصادی نظام قائم کرتی ہے، جس میں شہریوں کو محض تقویٰ کی بنیاد پر عزت واحترام اور توقیر ملتی ہے۔ اِس اسلامی نظام میں دولت و

ثروت اور امارت یا رنگ و نسل کی بنیاد پر کسی کو فضیلت نہیں دی جاتی۔ ریاست اور تمام شہری مل جل کر جب رضوان اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کیلئے جدوجہد کرتے ہیں تو انہیں عمدہ پاکیزہ ملک حاصل ہوتا ہے۔ بخشش اور مغفرت فرمانے والا رب عظیم اِن کا حافظ و ناصر ہوتا ہے۔(۳۴-۱۵)

اسلامی ریاست میں سب سے پہلے اولین اور اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ صاحبان اقتدار کا کردار بالکل بے داغ اور صاف شفاف ہو۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ حکمران طبقہ اپنے افعال و اعمال کیلئے جوابدہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کی طاقتوں کا دشمن ہے اور کمزور و بے بس، بے سہارا اور جبر و استبداد کے تحت پسے ہوئے لوگوں کا دوست ہے (۲۸-۶،۵)۔ بہر حال جو لوگ اللہ تعالیٰ کے پیش کئے ہوئے مقصد اور نصب العین سے ہٹ جاتے ہیں، اِن کی بجائے (اقتدار) دوسرے لوگوں کو دے دیا جاتا ہے (۴۷-۳۸) یہ لوگ اپنی تباہی کا سامان خود پیدا کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے ذاتی فائدہ کیلئے مادی مال و منال اور اسباب مشترکہ قومی مساعی میں استعمال کرنے سے روک لیتے ہیں۔(۲-۱۹۵)

ہر نظام کا دارومدار نظام کے چلانے والوں پر ہوتا ہے اِس لئے دنیا کے ہر نئے نظام نے خواہ وہ فاشزم ہو یا اشتراکیت انسان کی ساخت نو پر زور دیا ہے۔ اسلام کی روحانی جمہوریت کی اساس بھی انسان سازی پر ہوگی۔ روحانی جمہوریت کے قیام کیلئے ہمیں ایسے انسانوں کی ضرورت ہوگی جن کے کردار کی درخشاں مثالیں ہمیں اصحاب رسول ﷺ میں ملتی ہیں، جن کی کردار سازی سرور کائنات رسول مقبول ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ اللہ سُبحان تعالیٰ نے یہ بتایا ہے۔ کہ خاتم اُلرسل ﷺ کا انسان سازی کا طریق (۱) اللہ تعالیٰ کی آیات کے سنانے (۲) مسلمانوں کا تزکیہ نفس (۳) کتاب اللہ کی تعلیم اور (۴) حکمت سکھانے پر مبنی تھا۔ یہی کام گزری صدیوں میں ہمارے علماء اور صوفیا نے سرانجام دیا تھا۔ مگر جو اس صدی کے دوران علماء کے سیاست میں حصہ لینے سے پھیکا پڑ گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نعرے لگانے والے تو بُہت ہیں مگر پیغام کو پھیلانے والے بُہت کم۔

روحانی جمہوریت کا نظام معاشیات میں مساوات' معاشرت میں مواسات' احترام آدمیت اور انسانی دوستی' سیاست میں مشاورت' حکومت میں عوام کی شراکت' انسانی مراسم میں خوش خلقی اور اخوت' اخلاقیات میں اسوۂ حسنہ کی اقدار پر قائم ہوگا۔ اس نظام کا مطمح نظر علاقیت کے برعکس

وت، بدعت پسندی کے برعکس اسلام کی ایک وسیع النظر، روشن خیال اور متحرک تعبیر، غلبہ بالقوہ
کی بجائے غلبہ بالاخلاق، تنگ نظری کی بجائے وسیع المشربی، تشدد کے برعکس اعتدال اور میانہ
روی، ماسوائے ظلم کے خلاف جنگ کے صلح کل اور ماسوائے شرک کے دوسرے مذاہب کے ساتھ
فراخ دلی اور رواداری کے رویے پر مبنی ہوگا۔ اِس روحانی نظام کی مرکزی اساس تعلق باللہ پر ہو
گی۔ جبکہ مغربی جمہوریت کا حاصل وطن پرستی، مادیت، ملوکیت، سرمایہ داری اور استحصال ہے۔
روحانی جمہوریت کے زریں اصول وحدت انسانی، احترام آدمیت، حریت، مساوات، عدل،
احسان، محبت، اخوت، مروت، رواداری اور میانہ روی ہیں۔

روحانی جمہوریت کا انحصار اللہ کی عبدیت، متقی لوگوں کی حکومت اور عوام کے بے دریغ
احتساب پر ہے۔ مغربی جمہوریت کے تحت عوام کے نمائندوں کی حکومت عوام کے نام پر اور عوام
کیلئے قائم کی جاتی ہے، جبکہ اسلام میں حکومت اللہ کے نام پر عوام الناس کی فلاح کیلئے قائم کی
جاتی ہے۔ ہرچند کہ اسلام حکمرانی صالح اور متقی لوگوں کو تفویض کرتا ہے، مگر عوام کو حکمرانوں کا
گریبان پکڑنے کا پورا حق دیتا ہے۔

روحانی جمہوریت کے نظام کو چلانے والے قرآن کے فلسفہ حسن کے پیروکار یعنی محسن ہوں
گے، جو "وجیہہ فی الدنیا والاخرۃ" کی فضیلت کے طلب گار ہوں گے۔ لوگوں سے خوبصورت انداز
میں گفتگو کریں گے۔ اِن سے معاملات میں توازن، میانہ روی اور اعتدال کو اپنائے رکھیں گے۔
حق گو، متقی، بیباک، شجیع اور منصف ہوں گے۔ عملی میدان میں مستقل مزاج، اولوالعزم، کارگرو
کارساز ہوں گے۔ نہ اتنے پرجوش ہوں گے کہ حکمت کھودیں اور نہ اتنے مصلحت کوش کہ حق گوئی
سے صرف کریں۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد فکر اقبال ہماری عدم توجہگی کا شکار ہو کے رہ گیا،
جو استحکام پاکستان کے لئے نہایت مہلک ثابت ہوا۔ پاکستان حضرت علامہ اور حضرت قائداعظم
کے مطمع نظر کے مطابق اسلام کے آفاقی پیغام کا علمبردار بننے کی بجائے نظریاتی دینداری کے علم
بردار کے زیر اثر بناوٹی، دارالاسلام اور، دارالحرب، میں بٹ کے مادیت، صوبائیت، فرقہ پرستی
اور تشدد کے نظر ہو گیا۔ حکومت کے ذیلی فکری اور علمی اداروں کے کرنے کا کام تو یہی ہے کہ
حضرت علامہ کے نظریہ روحانی جمہوریت پر ایک فعال فکری تحریک چلانے کا بندوبست کریں۔
بہر حال پاکستان میں روحانی جمہوریت تو تبھی قائم ہو سکے گی۔ جبکہ قوم کا ہر فرد حضرت علامہ کے
آفاقی پیغام کو اپنی روح کی گہرائیوں سے اپنا لے گا۔

مسلم ٹاؤن کے بابا جی

ابن طاہر

مجھے بچپن ہی سے یہ بزرگ لوگ بڑے اچھے لگتے تھے اور جب میں ذرا بڑا ہوا تو برابر اسی کوشش میں رہا کہ میں تزکیہ نفس کر کے ان کے برابر جا بیٹھوں اس مقصد کے حصول کیلئے میں نے بہت سے بزرگوں سے ملاقاتیں کیں اور ان کی صحبت میں عجیب عجیب باتیں مجھ پر منکشف ہوئیں آج ایک بزرگ روشن ضمیر کا تذکرہ مختصر بیان کرتا ہوں

ایک دن میں سائیکل پر بیٹھا سال انڈسٹریل اسٹیٹ کی طرف جا رہا تھا اور جب میں ماڈل ٹاؤن کے قبرستان کے پاس سے گزرا تو مجھے عجیب قسم کی کشش محسوس ہوئی اور میں بجائے آگے جانے کے سائیکل موڑ کر قبرستان کے مین گیٹ سے قبرستان کے اندر داخل ہو گیا اور سیدھا ایک بزرگ کے پاس چلا گیا وہ لیٹے ہوئے تھے اور ایک آدمی انکی ٹانگیں دبا رہا تھا مجھے پہلی ہی نظر میں وہ بڑے پیارے لگے انہوں نے سفید کرتا پہن رکھا تھا اور سفید ہی تہمد پہن رکھا تھا اور سفید براق لمبی داڑھی اور عمر تقریباً 80 سال کی قریب تھی میں نے سلام لی اور ان کے پاس ہی بیٹھ گیا وہ ویسے ہی خاموشی سے لیٹے رہے میں نے کہا بابا جی مجھے محبت ہو گی ہے یہ سن کے دفعتاً بابا جی نے اپنی آنکھیں کھولیں اور مسکرانے لگے کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے پھر کہنے لگے کہ کس سے محبت ہوئی ہے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سن کر بابا جی بیٹھ گئے اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگے تو پھر تو کیا چاہتا ہے میں نے کہا کہ بابا جی مجھے اللہ تعالیٰ سے ملا دیں تو وہ کہنے لگے کہ بیٹا پھر تو تمہیں لائن میں لگنا پڑے گا اور جب تو لائن میں لگ گیا تو پھر ایک نہ ایک دن تیری باری بھی آ جائے گی میں نے کہا کہ بابا جی مجھ سے انتظار نہیں ہوتا اور ایک ہی نظر سے میرا کام کر دیں یہ سن کر انہوں نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا اور کہا کہ یہ نظر وغیرہ سب اس پیٹ کا چکر ہے اس کام کے لیے تو تجھے لائن میں ہی لگنا پڑے گا تب ہی تیری باری آئے گی۔ میں نے کہا بابا جی آپ ہر روز یہاں بیٹھے ہیں کہنے لگے نہیں میں سال میں صرف ایک دفعہ یہاں آتا ہوں ویسے مسلم ٹاؤن نزد اسلامیہ کالج میری دوکان ہے وہاں جب ٹائم ملے آ جایا کرو اس کے بعد میں نے ان سے اجازت چاہی اور گھر واپس آ گیا۔ یہ میری بابا جی سے پہلی ملاقات تھی اور اس کے بعد متواتر تین سال ان کی صحبت میسر رہی اور آخر 23 فروری 2004ء کو وہ خالق حقیقی سے جا ملے میں ان کو بابا جی ہی کہہ کر پکارتا تھا

مجھے معلوم نہیں تھا بلکہ میں بزرگوں کا نام پوچھنا اچھا نہیں سمجھتا آخر دو سال
اور ان کا نام میں نے کہا بابا جی آپ کا نام کیا ہے تو کہنے لگے کہ محمد بشیر خاکسار بابا جی نقشبندی
بعد اچانک بزرگ تھے اور شریعت کے بڑے پابند تھے اور بہت پکے توحیدی تھے ان کشف اعلیٰ پائے کا تھا
مستقبل کی باتیں ایسے بتانے لگے کہ جیسے آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مہمان نوازی ان کا خاص وصف
تھا میں جاتا تو خود اٹھ کر دوکان سے نان پکوڑے اور بوتل لا کر دیتے میں کافی عرصہ جاتا رہا لیکن
میرے مطلب کی کوئی بات نہ ہوئی آخر ایک دن حوصلہ کر کے میں نے ان سے کہا کہ بابا جی میں
قاعدہ سلوک طے کرنا چاہتا ہوں لہذا مجھے بیعت کر کے اذکار تلقین فرمائیں تو خاموش ہو گئے اور
کچھ نہ کہا میں جب بھی بیعت کے متعلق اصرار کرتا تو خاموش ہو جاتے ایک دن میں نے کہا کہ بابا
جی کیا میں ایسے ہی کورا رہ جاؤں گا تو کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے تم ہمارے پاس آتے ہو تم بد بخت
کیسے رہ سکتے ہو تم صبر کرو میں نے اللہ سے کہہ دیا تھا اور میں نے تمہیں ریتی بھی لگا دی ہے تم بالکل
فکر نہ کرو اس کے بعد میں نے ان سے بیعت کے متعلق اصرار نہ کیا اسی دوران میں سٹڈی کیلئے
انگلینڈ جانے کا پروگرام بنایا اور بابا جی سے کہا کہ دعا کریں کہ میں چلا جاؤں لیکن میں ایسے کورا ہی
وہاں نہیں جاؤں گا۔ آپ کو پتہ ہے کہ وہاں کا ماحول بڑا ایڈوانس ہے اور میرا تو ابھی تزکیہ بھی نہیں
ہوا یہ سن کہ خاموش ہو گئے کچھ دن کے بعد میں نے دوبارہ دعا کیلئے کہا تو کہنے لگے کہ تو ابھی نہیں
جا سکتا اور ایسا ہی ہوا اور میں بالکل تیاری کے باوجود نہ جا سکا بابا جی مستجیب الدعوات تھے اور مجھے
اس چیز کا مشاہدہ ہوا کہ جس بات کے متعلق دعا فرماتے وہ ہو جاتی اور جس کے متعلق خاموش ہو
جاتے وہ نہ ہوتی بزرگوں کے پاس اکثر لوگ دم وغیرہ کروانے کے لئے جاتے ہیں ان کے پاس
بھی آتے تھے لیکن وہ دم وغیرہ بالکل نہیں کرتے تھے بلکہ ویسے ہی کہہ دیتے کہ اچھا تم ٹھیک ہو جاؤ
گے یا کوئی چیز جو ان کے پاس موجود ہوتی وہ دے دیتے اور اس سے شفا ہو جاتی ایک دفعہ میری
چھوٹی بہن بہت بیمار ہو گئی بخار ٹوٹتا ہی نہ تھا ہفتہ عشرہ اس طرح ٹھیک نہ ہوئی میری والدہ بہت
پریشان تھیں آخر میں نے کہا کہ امی جان اسے میں بابا جی کے پاس لے کے چلتا ہوں تا کہ دم کرو
دوں میں بہن کو رکشے پر بیٹھا کر بابا جی کے پاس لے گیا اور بابا جی کو کہا کہ کافی دنوں سے بیمار ہے
آپ دم کر دیں تو کہنے لگے کہ اچھا لاؤ اسے میرے پاس بیٹھاؤ میں نے بیٹھا دیا بابا جی نے اسے
پیار کیا تھوڑی دیر غور سے دیکھا اور کہا کہ تم اس کے جسم پر تیل کی مالش کر دو ٹھیک ہو جائیگی۔ شیشی

میں ڈال کر دو یہ ٹھیک ہو جائے گی اور اپنے پاس سے تھوڑا سا تیل شیشی میں ڈال کر دیا۔ چنانچہ گھر آ کر ایسے ہی کیا اور وہ اسی دن بالکل ٹھیک ہو گئی اسی طرح ایک دن میرے بیٹھے ہوئے ایک بوڑھی عورت آئی اور کہا کہ میرے لئے دعا کریں تو کہنے لگے کہ تم خود اپنے اللہ سے دعا کرو اپنے مالک سے دعا کرو اپنے خصم سے دعا کرو میرے پاس کیا لینے آئی ہو مجھے آخری بات خصم والی ہضم نہیں ہوئی۔ جب وہ بوڑھی عورت چلی گئی تو میں نے پوچھا کہ باباجی آپ نے اللہ تعالی کو خصم کہا ہے کیوں مجھے سمجھ نہیں آئی۔ تو کہنے لگے کہ خصم کسے کہتے ہیں میں نے کہا کہ پتہ نہیں تو کہنے لگے کہ خصم اسے کہتے ہیں جس سے کوئی پردہ نہ ہو اور ہمارا ابھی اللہ سے کوئی پردہ نہیں ہے آپ نے حج بیت اللہ بھی کیا فرماتے ہیں کہ جب میں مدینتہ المنورہ گیا تو وہاں مواجہ تشریف کے پاس بہت زیادہ رش تھا اور شرطے نزدیک آنے والوں کو ڈنڈے سے پیچھے کرتے تھے لیکن پھر بھی تمام لوگ کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ جاتے اور ڈنڈے کھا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ میں دور بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ میرے ساتھی نے کہا کہ تم کیوں وہاں نہیں جا رہے تو میں نے کہا کہ مجھے ڈنڈے کھانے کا شوق نہیں ہے مجھے یہیں سے سب کچھ نظر آ رہا ہے میں تم لوگوں کی طرح اندھا تھوڑی ہوں اپنی وفات سے کوئی تین ماہ پہلے دل کی تکلیف میں مبتلا ہو گئے ہسپتال میں ڈاکٹروں نے پیشاب کی نال لگانی چاہی تو نہ مانے اور آخر بڑی مشکل سے راضی ہوئے جب گھر واپس آئے تو میں ملنے گیا تو مجھ ہنس کر کہنے لگے کہ رضا وہ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا میں نے کہا کہ کیا ہوا ہے تو پھر ہسپتال والا واقعہ سنایا میں نے پوچھا باباجی طبیعت کیسی ہے تو کہنے لگے کہ بیٹا میں تو مرض الموت میں مبتلا ہوں اور طبیعت کا کیا پوچھتے ہو لیکن تھے بہت خوش اور مطمئن اور خوش کیوں نہ ہوتے انہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہوئے گزاری اور اسی محبت میں اپنی جان اپنے محبوب کے قدموں میں ڈال دی اللہ تعالی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین) باباجی زیادہ باتیں بالکل نہ کرتے تھے لیکن میں جب بھی جاتا مجھے ایک بات بصورت شعر ضرور کہتے۔ میں جاتا تو میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرماتے رضا

راضی رضائے رہنا بڑا ائی محال ائے
آمنہ دے لال ﷺ چایا پار بڑا پار ائے

اپنے آپ کو پہچاننے کا بیان

(ابوحامد محمد الغزالیؒ)

فصل! جاننا چاہیے کہ آدمی کا باطنی لشکر کے ساتھ ایک تعلق ہے اور ہر لشکر کے سبب آدمی میں ایک مخصوص صفت ہے۔ اِن میں سے بعض برے اخلاق ہیں جو آدمی کو تباہ کر دیتے ہیں اور بعض اچھے جو اسے نیک بختی کے مقام پر فائز کر دیتے ہیں۔ یہ اخلاق ہیں تو بہت لیکن مجموعی اعتبار سے ان کی چار قسمیں ہیں۔ چار پایوں کے اخلاق، درندوں کے اخلاق، شیطانوں کے اخلاق اور فرشتوں کے اخلاق، چونکہ آدمی میں لالچ اور خواہش ہے اِس لئے وہ چار پایوں جیسے کام کرتا ہے مثلاً کھانا پینا اور تعلقات زن وشوئی۔ پھر چونکہ اِس میں غصہ ہے اِس لئے وہ درندوں جیسے کام کرتا ہے مثلاً مارنا، اور مار ڈالنا، گالی گلوچ، ہاتھا پائی اور حیلہ ومکر کے ذریعہ لوگوں میں فساد ڈالنے کی عادت اس میں ہے اِس وجہ سے وہ شیطانوں جیسے کام کرتا ہے اور عقل و شعور آدمی میں موجود ہے اس وجہ سے وہ فرشتوں کے سے کام کرتا ہے۔ مثلاً علم سے پیار، برے کاموں سے پرہیز اور لوگوں کی بھلائی کی خواہش، مکروہ اور گھٹیا کاموں سے بچنا تا کہ عزت محفوظ رہے، ہر کام میں حق کو پہچان کر خوش ہونا اور جہالت و نادانی کو عجیب جاننا۔

حقیقت میں دیکھا جائے تو آدمی کی طبیعت میں چار چیزیں ہیں۔ کتا پن، سور پن، شیطنیت اور ملکیت۔ کتا اپنی صورت کی وجہ سے برا نہیں ہے کہ آدمیوں سے اُلجھ جاتا ہے حتیٰ کہ اپنی جنس ہی کو دیکھ کر چلانا اور چیخنا شروع کر دیتا ہے۔ اِسی طرح سور بھی اپنی صورت کے اعتبار سے برا نہیں بلکہ اس وجہ سے برا ہے کہ ناپاک اور گندی چیزوں کا طمع رکھتا ہے۔ اور کتے، سور کی یہی حقیقت ہے اور آدمی میں بھی یہ چیزیں موجود ہیں اِس طرح شیطنیت اور ملکیت کے یہی معنی ہیں آدمی کے لئے حکم یہ ہے کہ عقل کا نور جو فرشتوں کے انوار و آثار سے ہے اِس کی بدولت شیطان کا مکر و حیلہ معلوم کرے تا کہ رسوا نہ ہو اور شیطان اِس سے فریب نہ کر سکے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر آدمی پر ایک شیطان مسلط ہے حتیٰ کہ میرے ساتھ بھی ایک شیطان تھا۔ لیکن میرے اللہ نے اس پر مجھے غلبہ عطا فرمایا اور وہ مغلوب ہو گیا۔ اب وہ مجھے برائی کا حکم نہیں دے سکتا۔

اسی طرح آدمی کو یہ بھی حکم ہے کہ لالچ اور خواہش کے سور اور غصہ کے کتے کو قابو میں رکھے

عقل کو ان پر حاکم بنائے تا کہ وہ اس کے حکم سے حرکت کیں جو آدمی ایسا کرے گا اس کو اچھے
اخلاق حاصل ہوں گے اور اسے سعادت نصیب ہوگی اور اگر ایسا نہیں کرے گا اور خود ان کا محکوم
ہو جائے گا تو برے اخلاق سے دوچار ہوگا جو بدبختی کا باعث ہوں گے۔

اگر خواب یا بیداری میں اس کو اس کے حال کی مثال دکھائیں تو اپنے تئیں دیکھے گا کہ ایک سور
یا کتے یا شیطان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے اگر کوئی کسی مسلمان کو کافر کے سپرد کر دے تو وہ
کافر اس کا جو حال کرے گا وہ معلوم ہی ہے اور اگر فرشتہ کو کتے، سور یا شیطان کی قید میں دے دیں
تو اس فرشتہ کا حال مسلمان سے بھی بدتر ہوگا۔ اگر لوگ انصاف سے کام لیں اور سوچیں تو انہیں
معلوم ہوگا کہ وہ دن رات اپنے نفس کی خواہشات کا شکار ہیں اور گو کہ وہ ظاہر میں آدمی کے مشابہ
ہیں لیکن روز حشر یہ راز کھلے گا اور ظاہر و باطن یکساں ہوں گے۔ جن پر تو خواہش اور لالچ غالب
ہیں لوگ انہیں سور کی شکل میں دیکھیں گے اور جن پر غصہ غالب ہے وہ کتے یا بھیڑئے کی شکل میں
ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے بھیڑئے کو خواب میں دیکھا تو اِس کی تعبیر یہ ہوگی یہ شخص ظالم
ہے اور اگر کسی نے سور کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر نجس و ناپاک آدمی ہوں گے۔ کیونکہ نیند
موت کی بہن ہے اور نیند کے سبب اِس جہان سے جتنا دور ہوا اسی کے مطابق صورت سیرت کے
مطابق ہوگی اور ہر شخص ویسے ہی دیکھے گا جیسا اِس کا باطن ہے یہ بڑا اہم راز ہے جس کی یہ کتاب
متحمل نہیں۔

فصل:۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ باطن میں یہ حکم دینے والے موجود ہیں تو اب اپنی حرکات و
سکنات کو دیکھ کر چاروں میں سے تو کس کا تابع ہے اور تیری عادات پر کس کا غلبہ ہے؟ اور تو یقین
کر کہ تو جو حرکت کرے گا اُس سے تیرے دل میں ایک صفت پیدا ہو جائے گا۔ اور اگلے جہان
میں وہ تیری مصاحب و رفیق ہوگی۔ انہی صفات کو اخلاق کہتے ہیں اور سب اخلاق انہی چار حکم
کرنے والوں کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی اگر تو خواہش کے سور کا مطیع ہے تو پلیدی، بے حیائی
لالچ، خوشامد، گندگی، دوسرے کی برائی پر خوش ہونا جیسی صفات پیدا ہوں گی۔ اگر تو اس سور کو
دبانے اور قابو کرنے میں کامیاب ہو گیا تو قناعت، حیاء، شرم، دانائی، پارسائی، بے طمعی اور غریبی
جیسی صفات پیدا ہوں گی۔

اور اگر تو غضب کے کتے کے تابع ہو گیا تو نڈر رہونا، ناپاکی، بڑا بول بولنا، غرور و تکبر، خودنمائی مسخرہ دوسرے کو حقیر جاننا اور لوگوں سے اُلجھنا اور لڑنا جیسی باتیں تیرے اندر پیدا ہو جائیں گی۔ اور اگر تو اس کتے کو قابو میں رکھ سکا تو صبر، بردباری، درگذر، استقلال، بہادری، سکوت اور بزرگی جیسے اوصاف تیرے اندر نمایاں ہوں گے۔

اور اگر تو اس شیطان کی اطاعت کرے گا جس کا کام کتے اور سور کو ورغلا کر دلیر کرنا اور مکر سکھانا ہے تو دھوکہ دینا، خیانت کرنا، جعل سازی جیسے اوصاف تیرے اندر پیدا ہوں گے اور اگر تو نے اس کو زیر کر لیا اور اس کے مکر و فریب میں نہ آیا اور عقل کے لشکر کی مدد کرتا رہا تو دانائی، معرفت، علم، حکمت، صلاحیت، حسن اخلاق اور بزرگی جیسی صفات پیدا ہوں گی اور یہ اوصاف جو تیرے ساتھ رہیں گے تو تیری نیک یادگار رہوں گی۔ اور تیری نیک بختی کا بیج ثابت ہوں گے اور جن کاموں سے برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں انہیں گناہ کہتے ہیں اور جن کاموں سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں انہیں عبادت کہتے ہیں۔ آدمی کے حرکات و سکنات کا معاملہ دو طرح کا ہے جن کا ابھی ابھی ذکر ہوا۔ گویا دل ایک روشن آئینہ ہے اور برے اخلاق دھواں اور تاریکی ہیں۔ ان کے اثرات سے آئینہ دل تاریک و سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار سے ایسا انسان محروم رہے گا اور نیک اخلاق روشنی اور نور کی مانند ہیں جو آئینہ قلب کو اُجلا کر دیتے ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اتبع السیئة الحسنة تمحها۔

ہر برائی کے بعد نیکی کرے تا کہ برائی کا اثر ختم ہو جائے۔

اور اس کا اثر مٹا دے اور قیامت میں آدمی کا دل یا تو روشن ہوگا اور یا تاریک اور نجات اسے نصیب ہوگی جو روشن ہوگا۔

فلا ینجو الامن اتی اللہ بقلب سلیم!

نجات صرف اسے نصیب ہوگی جو گناہوں سے پاک دل لے کر آیا۔

ابتدائے تخلیق کے اعتبار سے آدمی کا دل لوہے جیسا ہے جس سے روشن آئینہ بنتا ہے کہ تمام عالم اس کے ذریعہ دکھائی دیتا ہے۔ بشرطیکہ اسے حفاظت سے رکھے اور اگر حفاظت نہیں کرے گا

تو اسے زنگ لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون (المطففين)

فصل:۔ اے عزیز شاید تم یہ کہو کہ آدمی میں چونکہ درندوں، چار پایوں اور شیطانوں کی صفات ہیں تو ہم کیسے سمجھیں کہ ملکیت یا فرشتہ پن اس کی اصل ہیں اور باقی چیزیں عارضی ہیں اور یہ کس طرح معلوم ہو کہ آدمی فرشتوں کے اخلاق حاصل کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور باقی صفات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تو تجھے یہ سمجھنا چاہیے کہ آدمی چار پایوں اور درندوں سے اشرف اور افضل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جو کمال دیا ہے وہی اس کے لئے نہائت وانتہا ہے اور اسی واسطے اسے پیدا کیا ہے مثلاً گھوڑا، گدھے کے مقابلہ میں زیادہ عزت والا ہے کیونکہ گدھا محض بوجھ اُٹھانے کیلئے پیدا ہوا ہے اور گھوڑا لڑائی اور جہاد میں دوڑانے کے واسطے تاکہ شہ سوار اسے اپنی مرضی سے دوڑا سکے۔ حالانکہ وہ گدھے کی طرح بوجھ بھی اُٹھا سکتا ہے اور اسے کمال گدھے کے مقابلہ میں زیادہ ملا ہے۔ اگر وہ اپنے کمال سے محروم ہو جائے تو وہ بھی گدھے کا مرتبہ حاصل کرے گا اور محض بوجھ اُٹھانے کے قابل رہ جائے گا۔

اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم محض کھانے پینے اور تعلقات زن وشوئی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ساری عمر اسی میں گنوا دیتے ہیں اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ہمیں دوسروں کو زیر کرنے اور ان پر غلبہ جمانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے جیسے عرب، ترک اور کرد یہ اقوام! یہ دونوں خیال غلط ہیں اس واسطے کہ کھانا پینا اور تعلقات زن وشوئی کا دارومدار خواہش پر ہے اور یہ خواہش جانوروں میں بھی ہے بلکہ اونٹ کھانے کے اعتبار سے اور گرگریا جماع کے اعتبار سے انسان سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں تو پھر آدمی ان سے افضل کیسے ہوا؟ اور دوسرے کو مغلوب کرنا غصہ کے سبب ہوتا ہے اور غصہ درندوں میں بھی ہے جیسا چرندوں اور درندوں کو غصہ سے حصہ ملا ایسے ہی انسان کو بھی ملا تو پھر فرق کیا ہوا؟ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کو اس کے سوا بھی کمال نصیب ہوا ہے اور وہ عقل ہے کہ اس کے سبب اپنے مالک کو پہچانتا اور اس کی عجیب وغریب صنعتوں کو جانتا ہے اور اسی عقل کی وجہ سے آدمی چرندوں اور پرندوں بلکہ سب مخلوقات پر غالب اور ان سے افضل ہے اور جو کچھ اس زمین میں ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے آدمی کے تابع بنایا۔

وسخر لکم ما فی الارض جمیعاً

آدمی کی حقیقت وہی ہے۔ جس پر اِس کے کمال کا دارومدار ہے اور باقی صفات تو محض عارضی
ں اور آدمی کے کمال کے واسطے پیدا کی گئی ہیں اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ جب آدمی مر
ہے تو نہ خواہش باقی رہتی ہے نہ غصہ، بلکہ محض ایک جوہر رہ جاتا ہے جو فرشتوں کی طرح اللہ
لیٰ کی معرفت سے آراستہ ہوتا ہے اور وہی انسان کا رفیق ہوتا ہے، یہی جوہر فرشتوں کا بھی
یق ہے کہ وہ ہمیشہ بارگاہ ربوبیت میں رہتے ہیں۔

فی مقحد صدق عند ملیك مقتدر۔ (القمر)

یا آدمی کے ساتھ ایک اندھی تاریک شے ہوتی ہے جو تاریک اس سبب سے ہے کہ گناہ کی
ہے اس میں زنگ لگ جاتا ہی اور اندھی اس وجہ سے ہے کہ غصہ وغیرہ کے ذریعہ اسے آرام
ملتا تھا غصہ تو یہاں رہ گیا اب اس کا دل اِسی طرف رہے گا کیونکہ اس کی خواہش اور مقصد تو یہاں
ہے اور یہ جہان اُس جہان سے نیچے ہے چونکہ اب وہ جہان ہے اِس لئے اس کا سر نیچا ہوگا۔

ولو تری اِذالمجرمون ناکسوا روسھم عند ربھم (السجدہ)

کا یہی معنی ہے اور جو ایسا ہوگا وہ شیطان کے ساتھ سجین میں جائے گا۔ سجین کے معنی ہر کسی کو
معلوم نہیں اِس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وما ادرك ما سجین۔ (الانفطار)

فصل:۔ دل کی دنیا کے جو عجائبات ہیں ان کی انتہا نہیں اور تمام جسم میں دل کو جو بزرگی اور
شرافت حاصل ہے وہ اِسی سبب سے ہے کہ وہ سب سے نرالا ہے لیکن اکثر لوگ اِس سے غافل
ہیں۔

دل کی بزرگی اور شرافت دو وجہ سے ہے ایک تو علم کے سبب دوسرے قدرت کے سبب! علم
کی وجہ سے جو بزرگی ہے وہ دو قسموں پر مشتمل ہے ایک تو ساری مخلوق جان سکتی ہے، دوسری
نہایت پوشیدہ اور عمدہ ہے اور اِسے کوئی نہیں پہنچان سکتا۔ وہ صورت جسے سب جان سکتے ہیں یہ
ہے کہ تمام علوم اور صنائع کی معرفت کی قوت اِسے حاصل ہے اور اِسی قوت کے سبب وہ دل کی تمام
صنائع کو پہچان اور جان لیتا ہے اور جو کچھ کتابوں میں مدون ہے اِسے پڑھ لیتا ہے جیسے ہندسہ،

حساب، طب، نجوم اور علم شریعت اور اس کے باجود کہ دل کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے مگر اس میں علوم سب سما جاتے ہیں بلکہ ان کے اعتبار سے سارا جہان ایسا ہے جیسے صحرا میں ذرہ اور لمحہ بھر میں زمین سے آسمان تک اور مشرق سے مغرب تک دل اپنی فکر اور حرکت سے جاتا ہے اور باوجود یکہ یہ زمین پر ہے لیکن تمام آسمانوں کو ناپتا اور سب ستاروں کو جانتا ہے کہ کتنے کتنے فاصلہ پر ہیں اور مچھلی کو حیلہ کے ذریعہ دریا سے باہر نکالتا ہے اور پرندہ کو ہوا سے زمین پر لا پھینکتا ہے اور اونٹ گھوڑا اور ہاتھی جیسے زور آور جانوروں کو اپنا مطیع کر لیتا ہے اور اِس جہان میں جو جو علوم ہیں وہ اس کا پیشہ ہیں۔ اور یہ سب اِنہی پانچ حواس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور اِسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب حواس کو دل کی طرف راہ ہے اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ جیسے عالم محسوسات یعنی عالم جسمانی کے پانچوں حواس دل کے دروازے ہیں۔ اسی طرح عالم ملکوت یعنی عالم روحانی کی طرف سے بھی دل میں ایک دروازہ کھلا ہے۔ اکثر لوگ عالم جسمانی ہی کو محسوس جانتے ہیں۔ اور حواس ظاہری کو علم کا راستہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ یہ دونوں ذرا ذرا سے ہیں یہی ان کی حقیقت ہے۔ اور جہاں تک دل کا تعلق ہے اس کے بہت دروازے ہیں۔ جو علوم کی خاطر کھلے ہیں۔ اس پر دو دلیلیں ہیں۔ پہلی خواب کہ جب آدمی سوتا ہے تو ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں اور دل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور عالم ارواح اور لوح محفوظ میں غیب کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔ جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے یا تو دیکھائی دینے لگتا ہے یا صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ اور یا مثال میں نظر آتا ہے تو تعبیر کی حاجت محسوس ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو جاگتا رہتا ہے لوگ اس کو معرفت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ جاگنے کی حالت میں حواس سے غیب کی چیزیں نظر نہیں آتیں۔

اور خواب کی حقیقت اور اس کی تفصیلات اس کتاب میں بیان کرنا ممکن نہیں لیکن اجمالی طور پر اتنا سمجھ لیں کہ دل آئینہ کی مانند ہے اور لوح محفوظ اِس آئینہ کی مانند ہے جس میں سب موجودات کی تصویریں ہیں۔ صاف آئینہ کو جب تصویر والے آئینہ کے سامنے کرتے ہیں تو اِس میں سب تصویریں دکھائی دینے لگتی ہیں، اسی طرح دل جب آئینہ کی طرح صاف ہو اور محسوسات سے قطع تعلق کر لے تو اسے لوح محفوظ سے مناسبت ہو جاتی ہے اور پھر وہاں موجودات کی سب تصاویر

دل میں نظر آنے لگتی ہیں اور دل جب تک محسوسات میں مشغول رہتا ہے عالم روحانی کی سیر کرتا ہے۔ لیکن خواب میں حواس تو علیحدہ ہو جاتے ہیں البتہ خیال باقی رہتا ہے اسی وجہ سے عالم مثال میں خیال نظر آتا ہے۔ صاف حال نہیں کھلتا اور جب آدمی مر جاتا ہے تو نہ خیال باقی رہتا ہے نہ حواس اِس وقت کوئی آڑ نہیں ہوتی۔ سارا معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ اِس وقت اِس سے کہا جاتا ہے۔

فکشفنا عنك غطاء لك فبصرك اليوم حديد (ق)

اور وہ جواب میں کہتا ہے۔

ربنا ابصرنا و سمعنا فار جعنا نعمد صالحا انا موقنون (السجدہ)

اور عالم ملکوت کی طرف دل کا دروازہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے دل میں فراست اور نیک خطرات الہام کے طور پر نہ آتے ہوں اور وہ حواس کی راہ سے نہیں بلکہ دل میں ہی ہوتے ہیں اور وہ جانتا ہی نہیں کہ یہ خطرات کہاں سے آ رہے ہیں انتخابات سے یہ معلوم ہو گیا کہ تمام علوم محسوسات کے سبب نہیں اور دل کا تعلق اِس جہان سے نہیں بلکہ عالم روحانی سے ہے اور حواس کو اِس عالم کے واسطے پیدا کیا گیا ہے خواہ مخواہ اِس جہان کو دیکھنے میں آڑ ہوں گے اور جب تک اِس جہان سے فارغ نہیں ہوگا اُس جہان کی طرف راہ نہیں پا سکے گا۔

فصل:۔ تم یہ نہ گمان کرنا کہ عالم روحانی کی طرف دل کا دروازہ تب ہی کھلتا ہے جب آدمی سوئے یا مر جائے بلکہ اگر کوئی شخص محنت و مشقت سے کام لے اور خواہشات و غصہ پر قابو پالے اور برے اخلاق سے اپنے آپ کو پاک کر لے اور خالی جگہ میں بیٹھ کر آنکھ بند کر کے اور حواس کو بیکار کر کے عالم روحانی کے ساتھ اتنی مناسبت پیدا کر دے کہ ہمیشہ دل سے اللہ اللہ کہے زبان سے نہیں حتیٰ کہ اپنے آپ اور تمام جہان سے بے خبر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی خبر نہ رکھے جب ایسا ہو جائے تو اگرچہ جاگتا ہو پھر بھی دل کا دروازہ کھلا رہے گا اور لوگ جو کچھ خواب میں دیکھیں گے وہ یہ جاگتے میں دیکھے گا۔ فرشتوں کی ارواح اچھی صورتوں میں اِس پر ظاہر ہوں گی۔ انبیاء علیہم السلام کو دیکھنے لگے گا اور ان سے بہت فائدہ اور مدد پائے گا۔ زمین و آسمان کے ملکوت اسے نظر آنے لگیں گے اور جس کسی پر یہ راہ کھل گئی وہ عجیب عجیب تماشے اور بڑے بڑے کام جن

کی تعریف امکان سے باہر ہے دیکھے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اسی سے متعلق ہے معلوم ہوتا ہے کہ موت اور نیند کے بغیر بھی بہت کچھ نظر آ جاتا ہے۔

رویت لی الارض فاریت مشارقها و مغاربها۔

اور اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقائع میں یہ فرمانا بھی اسی قبیل سے ہے۔

وکذالک نری ابراهیم ملکوت السموات والارض (الانعام)

جبکہ انبیاء علیہم السلام کے علوم اسی طرح کے تھے ان کا تعلق حواس اور سیکھنے سے نہ تھا بلکہ سب کا آغاز ریاضت و مجاہدہ سے تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

و تبتل الیه تبتیلا۔ (المزمل)

جب ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ سب کام درست فرما دیتے ہیں کہ وہی کارساز حقیقی ہیں۔

رب المشرق والمغرب لا اله الا هو فاتخذه وکیلا۔ (المزمل)

اور جب اس کارساز حقیقی کو اپنا وکیل بنالیا تو سب سے تعلق توڑ کر صرف اسی سے جوڑ لے۔

واصبر علی ما یقولون واهجرهم هجراً جمیلاً (المزمل)

یہ سب ریاضت اور مشقت کی تعلیم ہے تاکہ مخلوق کی دشمنی اور دنیا کی خواہشات، محسوسات کے مشغولیت سے دل صاف ہو اور پڑھ کر یہ کیفیت حاصل کرنا اہل علم کا کام ہے۔ یہ بھی بڑا درجہ اور کمال ہے۔ لیکن نبوت کی راہ اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمہ کے علم کی نسبت جو آدمیوں کے سکھائے بغیر بارگاہ ربوبیت سے حاصل ہوتا ہے کم درجہ ہے۔ بہت سے لوگوں کو اس طریق کا صحیح اور درست ہونا تجربہ اور عقلی دلائل سے معلوم ہوا ہے۔

اے پیارے اگرچہ تجھے یہ ذوق حاصل نہ ہو اور سیکھنے سے بھی معلوم نہ ہو اور عقلی دلائل سے بھی معلوم نہ ہو سکے لیکن اتنا تو کر کہ اس پر ایمان لا اور تصدیق کر۔ تاکہ تینوں درجوں سے محروم نہ رہے اور کافر نہ ہو۔ یہ معاملات دل کی دنیا کے عجائبات سے تعلق رکھتے ہیں اور انہی سے آدمی کے دل کی بزرگی و شرافت ہوتی ہے۔ (جاری ہے)

اسلامی ریاست اور علمی و فنی ماہرین کی سرپرستی

ظفر اقبال اعوان

عسکری شعبہ ہو یا اقتصادی شعبہ دفتری شعبہ ہو یا کوئی اور شعبہ انہیں ترقی دینے کے لئے ضروری ہے کہ ماہرین کی عزت افزائی اور سرپرستی کی جائے۔ اس سے خود کفالت بھی حاصل ہوگی۔ اسلام میں جہاد کی بڑی اہمیت ہے۔ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ کتاب الجہاد میں ارشاد نبوی ﷺ مذکور ہے۔ جب سے مجھ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا قیامت تک جہاد جاری رہے گا یہاں تک کہ اخیر میں میری امت دجال سے مقابلہ کرے گا۔ عہد نبوی ﷺ میں آلات جنگ کی مسلسل تیاری کی جاتی تھی۔ ہتھیار خریدے بھی جاتے تھے مگر ہتھیار بنانے کو ترجیح دی جاتی تھی۔ غلام عابد خان کتاب عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم میں لکھتے ہیں کہ عہد نبوی میں جنگی حالات کے پیش نظر اسلحہ سازی کی تربیت بھی دی جاتی تھی رسول پاک ﷺ نے جنگی ہتھیار بنانے کے کارخانے لگوانے کے لئے ماہرین کو یمن بھیجا۔ آپ ﷺ کے دو صحابیؓ شام کے شہر جرش گئے تاکہ منجنیق سازی کی تربیت لے سکیں۔ کتاب "حضور اکرم ﷺ کا نظام جاسوسی" میں مذکور ہے کہ رسالے کو ترقی دینے کے لئے آپ ﷺ نے سوار کے ساتھ ساتھ گھوڑے کا حصہ بھی مقرر فرمایا اور آلات حرب کی اقسام کو بہتر بنانے کے اقدامات کئے جس کے نتیجے میں عربوں کی بنائی ہوئی زرہیں اپنی صنعت کی مہارت کی وجہ سے مشہور ہوگئیں۔ کتاب معاشیات نظام مصطفیٰ ﷺ میں صنعتی ترقی" آنحضرت ﷺ کے دور کے حوالے سے مذکور ہے کہ مسلمانوں نے صنعتی کاموں میں خوب محنت کی اور روز بروز صنعت کاری میں ترقی کرتے چلے گئے۔ شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس کی طرف مسلمانوں نے توجہ نہ دی ہو۔ معاشی خوش حالی سے متعلق صنعت و حرفت میں نہ صرف وہ خود کفیل ہونے کی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے بلکہ جنگی تیاری میں انہوں نے ترقی کی منازل خوب طے کیں۔ تلوار سازی اور نیزہ و تیر کی ایجاد و ساخت میں وہ آگے نکل گئے۔ معاشی فلاح و بہبود سے متعلق تمام ذرائع بروئے کار لائے اور سامان حرب و جنگ بھی نئے ایجاد کئے۔ مسلمانوں میں جذبہ عسکریت اور

اعتماد کی بحالی و برقراری کے لئے اسلحہ کے استعمال و ساحت کے ساتھ اس کی نمائش کے ذریعے دفاع میں حصہ داری کی ترغیب اور حوصلہ مندی کا اہتمام کرنا بھی ثواب قرار چنانچہ عمرو بن مروان شام گئے دیکھا کہ حضرت بلالؓ اپنے اردگرد اسلحے (تیر کمانیں بھالے لیں وغیرہ) کا ڈھیر لگائے بیٹھے ہیں۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے اے لوگوں طرح کا اسلحہ لو۔ اسے کارآمد بناؤ۔ پھر اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس امر کی تاکید فرمائی ہے۔

کاریگر وصنعت ساز غزوات میں شریک ہوتے تھے

عہد نبوی ﷺ میں غزوہ خیبر کے حوالے سے مورخ واقدی کا بیان ہے کہ مرمت کے بعد جوں ہی (مسلمانوں نے) منجنیق کو دبابہ کے ساتھ استعمال کیلئے رکھا تو قلعہ شق کے لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ نزار اور قموص کے یہودیوں نی منجنیق کو استعمال کے لئے تیار دیکھ کر دہشت کے مارے گھٹنے ٹیک دیئے جبکہ اس آلہ محاصرہ شکن سے ایک بھی پتھر نہیں پھینکا گیا۔

سرور عالم ﷺ نے طائف کے محاصرہ میں جب دیکھا مسلمان قلعہ کے قریب پتھروں اور تیروں کی بارش کی وجہ سے نہیں جاسکتے تو آپ ﷺ نے ایک متحرک قلعہ بنوایا۔ مضبوط لکڑیوں کا قلعہ نما خیمہ تیار کیا گیا۔ اس پر سخت چمڑے چڑھائے گئے اور اس کو اتنا مضبوط کیا گیا کہ تیر اس پر اثر نہ کرسکیں۔ چنانچہ اس کی آڑ اور حفاظت میں مسلمان فوجیوں نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ جو کاریگر وصنعت ساز مجاہدین غزوات و جہاد میں شریک ہوتے تھے تو وہ فتح کی صورت میں مال غنیمت سے حصہ پاتے۔ کتاب "مسلمانون کی زرعی عظمت رفتہ اور اسلام کا قانون ارضی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں زرعی تعلیم اور تحقیق بھی ہوا کرتی تھی تعلیم اور تحقیق میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ زراعت پیشہ لوگو نکے فصلی اجتماع بھی ہوا کرتے تھے۔ یعنی جیسے ہی فصل ربیع یا حریف کی بوائی کا وقت آتا تو تمام متعلقہ لوگوں اور زرعی ماہرین کی کانفرنس ہوتی جس میں فصلوں کے متعلق مختلف امور زیر بحث آتے۔ یومیہ او ہفت روزہ کلاسیں بھی ہوتی ہیں۔ زراعت میں نئے تجربات بھی

ہوتے۔عہد نبوی ﷺ میں مسلمانوں نے زرعی تعلیم و تحقیق کی بنیاد پر گندم برآمد کی۔اسی کتاب میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے زراعت کی ترقی کیلئے چھوٹے ڈیم بنوائے۔کتاب " حضور اکرم ﷺ کی زرعی منصوبہ بندی میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے زراعت کی ترقی کے لئے نئے کنویں کھدوائے۔عہد نبوی ﷺ میں کسانوں کی خوشحالی کا خیال رکھا گیا۔حضور ﷺ نے دیہی سطح پر نقیبہ تحصیل کی سطح پر عرفہ ڈوثرن کی سطح پر عاملہ کی صورت معاشرے کے افراد پر مشتمل نگران کمیٹیاں تشکیل دیں۔یہی کمیٹیاں کسانوں کے مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے حکومت سے رابطہ کا کام کرتیں افکار معلم میں عہد نبوی ﷺ کے حوالے سے مذکور ہے کہ نظام معشت کے بنیادی اصول یہ طے کئے گئے کہ پوری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔تمام انسان برابر ہے ہر ایک کے معاشی حقوق برابر ہیں سب کی معاشی ضروریات کو پورا کرنا ریاست کی زمہ داری ہے معدنی ذخائر کے استعمال اور زرعی اصلاحات کے ذریعے خوشحالی کا نظام لایا گیا۔پوری معشت گردش دولت کے اصول پر قائم ہوئی اور ارتکاز دولت کے سارے راستے قانون کی مدد سے بند کر دیئے ہے۔ بیکار زمینوں کا استعمال رعایا کی آبادکاری انتظام اور ثقافتی سرگرمیوں (تعلیم فنی تربیت کھیل) کا فروغ ریاست مدینہ کی معاشرتی زندگی میں ایک انقلاب اور زینت کا باعث بنے۔نقوش رسول ﷺ نمبر میں مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صیغہ مالیات کے شعبے کی بہترین کارکردگی کی طرف پوری توجہ دی اور ایسے لوگوں کو زمہ داریاں سپرد کیں جو اس کے سب سے زیادہ اہل تھے اور اخلاق و کردار علم دین و دنیا حساب کتاب اور انشاؤ کتاب میں مہارت رکھتے۔کتاب عہد نبوی ﷺ کا نظام تمدن میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ قیس بن طلق الحنفی کا وفد آیا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ مسجد تعمیر کر رہے ہیں۔وہ بھی اس کام میں لگ گئے حضور اکرم ﷺ نے دیکھا تو پسند فرمایا۔لہذا گارا مٹی کا کام ان کے ہی سپرد فرمایا۔وہ مٹی میں پانی ملا کر خاص تدبیر سے گارا بناتے ہیں۔عہد نبوی ﷺ میں تیراندازی کے لئے بہت ترغیب دی جاتی اور اس پر انعامات دیئے جاتے۔ حضرت سعدؓ بن وقاص بڑے ماہر تیر انداز تھے ایک غزوہ میں آپ ﷺ نے فرمایا تیر برساؤ (سعدؓ) تم پر میرے ماں باپ قربان

ہوں ۔ غزوہ بدر مین مشرکین مکہ نے پہلے پہنچ کر وادی بدر کے مناسب مقامات پر قبضہ کرلیا تھا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حباب بن مندر انصاریؓ کے مشورے کو تسلیم کرتے ہوے اس علاقہ میں پڑاوڈالا جس سے چشمہ پر قبضہ ہو گیا اور بارش ہونے کے ساتھ وہاں پانی کے لئے حوض بنا کراس میں پانی جمع کروایا۔ اس واقعہ مین حضرت حبابؓ نے پہلے یہ دریافت کرلیا تھا کہ پراو کی جگہ وحی کے زریعے تو نہیں بتائی گئی ہے تو اسے بے چون و چرا تسلیم کرلیا جائے ۔ اور جب واضح ہو گیا کہ ایسا نہیں ہے تو مشورہ دیا گیا اور اسے مانا گیا کیونکہ وہ علاقہ سے پوری واقفیت رکھتے تھے ۔ کتاب عہد نبوی ﷺ کی معاشی زندگی میں عہد نبوی ﷺ کی اسلامی ریاست کے حکومتی اخرجات کا تعارف پیش کیا گیا ہے مندرجہ ذیل اخراجات کے بارے میں بیان کیا گیا (1) سکریٹریٹ کے اخراجات (2) تعلیمی اخراجات (3) عدالتی اخراجات (4) امور داخلہ کے اخراجات (5) محصلین زکوۃ و عشر کے وظائف (6) مساجد کی تعمیر اور ان کی آبادی کے اخراجات (7) جنگی اخراجات (8) سفارتی اخراجات (9) کفالت عامہ کے اخراجات

اس مضمون سے مندرجہ ذیل نکات ونتائج اخذ ہوئے (الف) اسلامی ریاست جنگی شعبہ کی ترقی اسلحہ سازی کے فروغ کے لئے اقدامات کرے (ب) اسلامی ریاست معاشی ودیگر شعبہ کی ترقی وفروغ کیلئے اقدامات کرے (د) ماہرین کی اصلاحیتوں کو استعمال میں لانے ے اقدامات کئے جائیں ۔ (ج) ماہرین کی کفالت کی جائے ۔ ان کی عزت افزائی کی جائے ۔ اس سے سائنس وٹیکنالوجی وایجادات کو فروغ ہوگا ۔ اہل ثروت کیلئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی ریاست کو استحکام دیں اسلامی ریاست میں اہل ثروت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے استحکام کیلئے اپنے مال سے اسلامی ریاست مدد کریں اسکی بڑی فضلیت ہے قرآن حکیم مین اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے (ترجمہ) جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ اس سے اکیس سات بالیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالی بڑھا تا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ تعالی بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے حضرت حریم بن فاتکؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور

اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کے راستے میں میں کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں سات سو گنا لکھا جاتا ہے حضرت زید بن خالد سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں نکلنے والے مجاہد کو سامان فراہم کیا اس نے بھی جہاد کیا جس نے مجاہد کے گھر والوں کی بھلائی کے ساتھ دیکھ بھال کی اس نے بھی جہاد کیا۔ ارشاد ربانی (ترجمہ اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ طاقت اور تیار بندھے ہوئے گھوڑے ان کے مقابلے کیلئے مہیا کھوتا کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹا دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا کتاب فضائل جہاد میں مذکور ہے کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت عثمان غنیؓ نے اسلامی لشکر کیلئے جو مدد فرمائی اس بارے میں مختلف روایات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے پہلے تین سو اونٹ مع ساز وسامان کے عطا فرمائے پھر ایک ہزار دینار دیئے پھر آپ نے اونٹ ایک ہزار کر دیئے اور دس ہزار دینار کے علاوہ مزید بیس ہزار دینار نقد یا پچیس گھوڑے بھی عطا فرمائے حضرت عثمان غنیؓ نے مدینہ طیبہ میں ایک کنواں (جو ایک یہودی کی ذاتی جائیداد میں تھا) خرید لر وقف کر دیا اور اس سے مسلمانوں کی ایک بنیادی ضرورت پوری ہوگئی کیونکہ یہ یہودی بغیر معاوضہ لئے پانی بھرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا اب یہ کنواں وقف عام ہو گیا۔ ہر شخص کو بلا روک ٹوک اور بلا معاوضہ جتنی ضرورت ہوتی پانی لینے کی عام اجازت ہوگئی۔ پس نتیجہ اخذ ہوا کہ اہل ثروت کو چاہیے کہ اسلامی ریاست کے ملی استحکام کیلئے اپنی دولت خرچ کریں تعلیم و تحقیق ریاست کے استحکام میں اہم کردار انجام دیتے ہیں۔ تعلیم و تحقیق سے وابستہ افراد کی کفالت و مالی خوشحالی کے سلسلے میں اہل ثروت مالدار حضرات کو اسلامی ریاست کی مدد کرنی چاہیے کہ اس سے عسکری قوت بھی بڑھے گی اور معاشی استحکام میں بھی اضافہ ہوگا۔ اقوام میں سربلندی حاصل ہوگی۔ (بشکریہ گلوبل سائنس)

نعت

ان کی نظر کرم اُن کی شان عطا — مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا

میں گناہ گار عصیاں کا مارا ہوا — اور غلاموں کی صف میں کھڑا کر دیا

ان کی نظر کرم ان کی شان عطا — مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا

میری بے چینیاں میری بے تابیاں — میری مایوسیاں میری ناکامیاں

چین و راحت ہوئیں سب سکوں بن گئیں — مجھ سے ناکام کو کامراں کر دیا

ان کی نظر کرم ان کی شان عطا — مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا

جتنی بنجر زمیں تھی ہری ہوگئی — پیڑ اگنے لگے پھول کھلنے لگے

رحمت مصطفیٰ ﷺ کی یوں چھائی گھٹا — مجھ بیابان کو رنگ و خوشبو کیا

ان کی نظر کرم ان کی شان عطا — مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا

وہ تو کیا ان کی چاہت بھی مل جائے گر — آدمی کے نصیبوں کو لگ جائے پر

پھر فرشتوں سے بنتا ہے بہتر بشر — یہ مقام خیال شبہہ انبیاء

ان کی نظر کرم ان کی شان عطا — مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا

محمد نواز صدیقی (نیویارک)

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف
تعمیرملت
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے
چراغ راہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
طریقت توحیدیہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس
لسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ
میں شامل ہونا چاہتے ہیں
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدا
انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔
حقیقت وحدت الوجود
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق۔
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔